من کنت مولاہ فعلی مولاہ

تیری قدر تو وہ جانیں ، جو تیرے سنگ سنگ چلے   ناداں کو کیا خبر تیری رفعت کیا ہے
معلوم نہیں جن کو اپنا شجرہء نسب ٹھیک سے   خاک جانیں گے تیرے افکار کی وسعت کیا ہے

وصیتِ حضرت امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب ؓ :

لا تجعل بینک و بین اللہ منعما   و عد نعمۃ غیرہ علیک مغرما

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی دوسرا انعام دینے والا مت بناؤ۔ اور غیر اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر قرض یا تاوان شمار کرو۔

لعمرک من اولیتہ منک نعمۃ   و مدھا کفا فانت امیرہ

آپ کی عمر کی قسم! جس شخص کو آپ نے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کی۔ اور اس نے نعمت لینے کے بعد آپ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ تو آپ اس کے امیر ہو۔

ومن کنت محتاجا الیہ فانہ   امیرک تحقیقا و انت اسیرۃ

اور جس شخص کے آپ محتاج ہیں۔ وہ آپ کا حقیقی امیر ہے۔ اور آپ اس کے قیدی ہیں۔

ومن کنت عنہ ذا غنی و ھو مالک   ازمۃ اھل الدھر انت نظیرۃ

اور جس شخص سے آپ بے نیاز ہیں۔ وہ اگرچہ اہلِ زمانہ کا مالک اور سردار ہو۔ پھر بھی آپ اس مثل اور برابر ہو۔

فعش فانعا ان القناعۃ للغنی   غناہ و ھٰذا مقتضٰی ما اشیدہ

پس آپ قناعت سے زندگی بسر کریں۔ کیونکہ قناعت نوجوانوں کے لئے غناء ہے۔ اور جس کی جانب میں اشارہ کرتا ہوں۔ اس کا تقاضا (بھی) یہی ہے۔

ولا البس النعماء و غیرک ملبسی   ولا املک الدنیا و غیرک واھبی

اور میں ایسی نعمتوں کو نہیں پہنتا۔ جس کو آپ کے سوا کوئی دوسرا پہنانے والا ہو۔ اور نہ ہی میں ایسی دنیا کا مالک ہونا چاہتا ہوں۔ جس کا دینے والا آپ کے سوا کوئی دوسرا ہو۔

حقیقتِ انسانی کو سمجھنے کے لئے تعلیماتِ امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب ؓ

حقیقتِ انسانی کو جاننے اور سمجھنے کا سب سے بہترین طریقہ وہ ہے۔ جو کہ! حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ ؓ نے اپنے جگر گوشہ اور فرزندِ دل بند کو تعلیم فرمایا۔ کہ! جس میں انسانی حقیقت کا ایک جامع فلسفہ پوشیدہ ہے۔ کہ!

یا ولدی فکرک فیک یکفیک   فلیس شیء خارجا منک

اے میرے فرزند! تیرا فکر تجھ میں تیرے لئے کافی ہے۔   کیونکہ کوئی شئے تجھ سے خارج نہیں ہے۔

و ذائک فیک وما تشعر   دوائک منک ولا تبصر

اور تیرا اندر تیرے اندر ہی ہے۔ مگر تم جانتے نہیں۔   تیری دواء تجھ میں ہی ہے۔ مگر تم دیکھتے نہیں۔

و تزعم انک جسم صغیر   و فیک انطوی عالم اکبر

اور تجھ کو گمان ہے۔ کہ تمھارا ایک چھوٹا جسم ہے۔   حالانکہ تیرے اندر ایک عالمِ اکبر لپٹا ہوا ہے۔

و انت ام الکتاب الذی   ماحرفہ یظھر المضم

اور تو ایک ام الکتاب ہے۔   کہ اپنے حروف سے دل کی بات جانتے ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ابیات و اشعار کی مختصر شرح :

یا ولدی فکرك فيك يكفيك۔ (اے میرے فرزند! تیرا فکر تجھ میں تیرے لئے کافی ہے) یعنی کہ اگر تم (اے فرزند سیدنا علی ؓ) اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اپنی شناخت چاہتے ہو۔ تو اپنے تئیں غور و فکر کرو۔ کہ! وہ ذاتِ باری تعالیٰ تجھ ہی میں ہے۔ نہ کہ تم سے جدا۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وفی انفسکم افلا تبصرون**۔ اور (وہ ذات) تمھارے نفسوں (اجسام) میں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے۔ (القرآن) ایک روز حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ نے حضرت نبی مکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ **این اللہ**۔ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو آنحضرت رسولِ اکرم ﷺ نے جوابًا فرمایا۔ **فی قلوب عبادہ**۔ یعنی بندوں کے قلوب میں ہے۔ (الحدیث) بقول بعضے!

نشانے وہ اگر یابم کہ آں اقبال ما باشد   نباشد پرسیدن ترا خانہ کجا باشد

یہ پوچھنا کوئی عیب (گستاخی) نہیں۔ کہ! آپ کا گھر (مقام و مکان) کہاں ہوگا؟ تُو ہم کو اپنا پتہ و نشانی بتا۔ اگر ہم نے تجھے پالیا۔ تو یہ ہمارا اقبال و خوش نصیبی ہوگی۔ ایک حدیثِ پاک میں ہے۔ کہ! **قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالیٰ**۔ مومنوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کا عرش ہیں۔ (حدیث) اسی حدیث کے ضمن میں یہ آیتِ مبارکہ دال ہے۔ کہ! **الرحمٰن علی العرش استویٰ**۔ رحمان عرش پر مکیں ہے۔ (القرآن) اَب حضرت انسان کو غور و فکر

کے ساتھ آشنائی و آگاہی حاصل کرنی چاہیئے۔ کہ! **انسان کی اصل کیا ھے** ؟ اے حضرتِ انسان تُو اپنے دل میں سوچ۔ اور اپنے نفس میں فکر کر۔ کہ! تُو کون ہے ؟ کیا تھا ؟ کیا صورت تُو نے پائی ہے ؟ اور تیری اصل کیا ہے ؟

اے حضرتِ انسان! تو تُو ذرا ہوش سے سُن! کہ تیری اصل ذاتِ بحت (بحت یعنی خالص و بے مَیل ہونے کی حالت) ہے۔ اول منزل میں تُو نے حقیقتِ محمدی ﷺ کے نام کو پایا۔ دوسری منزل میں تُو نے حقیقتِ انسانی میں آیا۔ تیسری منزل میں روح سے مربوط ہوا۔ چوتھی منزل میں عالمِ مثال بنا۔ پانچویں منزل میں تیرے رہنے کے لئے تجھے جسمِ کثیف ملا۔ تاکہ تُو اپنی اصل کو بھول جائے۔ جب اس جسمِ کثیف نے اپنی کثافت کا اثر ڈالا۔ تو اس صحبتِ اثر نے تجھے اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ اور تُو خود سے یہ کہنے لگا۔ کہ! یہ میرا جسم ہے۔ میں مجسم انسان ہوں۔ میں فلاں کا بیٹا ہوں۔ میں فلاں کا باپ ہوں۔ میں فلاں کا شوہر ہوں۔ میں بھوکا ہوں۔ میں پیاسا ہوں۔ میں مفلس ہوں۔ میں اندھا ہوں۔ میں لنگڑا ہوں۔ میں عاجز ہوں۔ (وغیرہ وغیرہ)

اے حضرتِ انسان! تُو اچھی طرح سے سمجھ لے۔ کہ! تُو نہ تو جسم ہے۔ اور نہ ہی تیرا کوئی جسم ہے۔ نہ ہی تُو کسی بیٹا، باپ یا شوہر ہے۔ نہ ہی تُو اندھا، لنگڑا و عاجز ہے۔ غرض جو بھی کچھ ان صفات سے موصوف یہ جسم ہی جسم ہے۔ یہ تمام رشتے، عیوب اور صفات بس صِرف اسی جسم میں ہی ہیں۔ تجھ میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ! تیری روح تو پاک وصاف اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا ہے۔ تجھے تو **خلیفة اللہ** ہونے کا اعزاز و شرف حاصل ہے۔ یہ جسم تو اعتباری و اختیاری لباس کی مانند ہے۔ جیسے تُو نے اپنی اغراض و مقاصد دینی و دنیاوی کی خاطر ایسے سینکڑوں لباس بدل ڈالے۔ تو ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ جب تُو اِسے بھی اُتار دے گا۔ کیونکہ! اس (جسم) کے ہونے یا نہ ہونے سے تیرا کسی بھی طرح حرج و نقصان نہ ہوگا۔ اور تُو جیسا تھا۔ ویسا ہی رہے گا۔ بلکہ اس (جسم) کے ساتھ محبت کرنے سے پستی میں گرتا چلا جائے گا۔ اور دائمًا رنج و غم و اَلم کا شکار رہے گا۔ لہٰذا بالمقصد اور فی المقصد اس سے محبت کا رشتہ توڑ کر اپنی اصلیت کی جانب گامزن ہو۔ اور اس کی اُلفت سے منہ موڑ لے۔ تاکہ تُو عذابِ سرمدی کے سفر سے چھوٹ جائے۔ اور اپنے اصلی وطن میں پہنچ کر راحت و مسرت پائے۔ (ان شاءاللہ) کیونکہ! (حدیث) **حب الوطن من الایمان**۔ وطن سے محبت ایمان کا خاصہ ہے۔ (اور) وطنِ اصلی پاکستان و دیگر کوئی مُلک نہیں۔ بلکہ وطن تو ایک ایسا ملک و شہر ہے۔ کہ! جس کا کوئی نام و مکان و مقام نہیں۔

اے حضرتِ انسان! جب تم اوپر کے تنزلات و تعینات و اضافات کو خود سے الگ کر کے تفکر کرو گے۔ تو یقینِ کامل ہے۔ کہ! تم اپنی اصل حقیقت تک پہنچ جاؤ گے۔ (ان شاءاللہ) کیونکہ! عقل مند کو تو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔ **فلیس شیء خارجا منک**۔ اے میرے فرزند! تیرا فکر تجھ میں تیرے لئے کافی ہے۔ (یعنی کہ) سبھی کچھ تیرے اندر جب موجود ہے۔ تو تُو کیوں باہر دیکھتا و جھانکتا ہے۔

(یعنی کہ) اے وہ کہ تُو ہی کتابِ الٰہی کا ورق ہے۔ اُس جمالِ شاہی کا آئینہ تُو ہی تو ہے۔ جو کچھ بھی دونوں جہان میں ہے۔ وہ تجھ سے باہر نہیں ہے۔ تُو بس اپنے ہی اندرون طلب و جستجو کر۔ جو بھی کچھ تُو چاہتا ہے۔ وہ تجھے تیرے ہی اندر ملے گا۔ (ان شاءاللہ)

یعنی کہ! **اپنا مطلب و مقصد خود میں ہی طلب کرتا رہ**۔ کیونکہ! حضرت علی المرتضیٰؓ فرمایا۔ کہ! اے فرزند! اپنے اندر تفکر کر۔ جو چیز تجھے مطلوب ہو۔ اپنے ہی اندر طلب کر۔ (اُسے تُو) اپنے ہی اندر پائے گا۔ کوئی شئے تجھ سے خارج نہیں۔ کہ جسے تُو باہر تلاش کرے۔

دوائک فیک و ما تشعر   **دوائک منک ولا تبصر**

اور تیرا مرض تیرے اندر ہے۔ اور تُو نہیں جانتا۔ (تیرے مرض کی) دوا بھی تیرے ہی پاس ہے۔ اور تُو دیکھتا ہی نہیں۔
(یعنی کہ) تیرا مرض اور تیرے مرض کی دوا دونوں تجھ ہی میں موجود ہیں۔ بقول شاعر!

تیری دواء تجھی میں ہے تجھ کو خبر نہیں   تیرا مرض تجھی میں ہے تجھ کو خبر نہیں
تنہا سا جسم جانتا ہے اپنے آپ کو   پیچیدہ تجھ میں عالم اکبر مگر نہیں
اُمُّا لکتاب تُو ہے جس کے حروف سے   ظاہر ہے سب چھپا ہوا کچھ مستتر نہیں

افسوس کہ! انسان اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا۔ اسی لئے وہ حقیر و ذلیل اور پریشان ہو رہا ہے۔ دراصل وہی اسرارِ ربانی کا خزانہ ہے۔ اور وہی حقیقت میں اوصافِ رحمانی کا مجموعہ ہے۔ یعنی کہ! اللہ تعالیٰ نے اسی کی ہستی میں بے شمار صلاحیتیں اور عجیب و غریب اوصاف رکھے ہیں۔ تمام عالم میں جو کچھ موجود ہے۔ انسان ہی انسان ہے۔ اور جو کچھ بھی تلاش کرتا ہے۔ وہ بھی انسان اپنے اندرون انسان ہی کو تلاش کرتا ہے۔

اگر کسی کے اندر کسی بھی طرح کا کوئی چھوٹا موٹا یا پھر بڑا شرک کسی کونے میں چھپا ہوا ہے۔ تو اُس شرک کی دواء توحید و معرفت کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب یقینِ دل سے تم نے یہ جان لیا۔ کہ حقیقتًا ذاتِ پاک کے سوا کوئی موجود فی الخارج نہیں۔ اور یہ جو کچھ نظر آرہا ہے۔ کل موجودات فقط ایک وہمی، خیالی اعتبارات پر وابستہ ہے۔ یہ معدوم محض ہے۔ مگر موجودِ حقیقی اول و آخر، ظاہر و باطن صِرف ذاتِ پروردگارِ عالم ہی ہے۔ بس یہی اس درد کی دواء ہے۔ یعنی اس کی ہستی کے باوجود اپنی ہستی کا وجود کرنا یہ درد ہے۔ اور اپنی ہستی کو اس کی ذات میں فنا کر دینا یہ دواء ہے۔

لہٰذا اَب حضرت انسان کو تفکر و تدبر کے ساتھ اس بات کی آشنائی و آگاہی حاصل کرنی چاہیئے۔ کہ! **کیا انسان کو اپنے نفس کا عرفان کافی ہوسکتا ہے** ؟ اے حضرتِ انسان تُو اپنے دل میں سوچ۔ اور اپنے نفس میں فکر کر۔ کہ! تجھے اپنی ذات کا فکر، اپنے نفس کا عرفان، اپنی حقیقت کا انکشاف ہی کافی ہے۔ حضرت حجۃ

الاسلام جناب امام غزالیؒ نے ایک حدیث نبوی ﷺ بیان فرمائی ہے۔کہ! **فان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ فاعرف نفسک یا انسان تعرف ربک**۔ (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ہی صورت پر تخلیق فرمایا۔اے انسان! پس پس تُو اپنے نفس کو پہچان۔تاکہ تُو اپنے رب کو پہچانے۔ (الحدیث) چنانچہ جب انسان کو اپنا عرفان حاصل ہوا۔خدائی اور بندگی کے القابات اور'' **انا جعلناک خلیفة** '' کا خطاب ایسا ہی ہے۔جیسے کہ سکندر بادشاہ نوشابہ کے روبرو حاضر ہوا۔نوشابہ نے چونکہ سکندر بادشاہ کو پہچان لیا۔اسی وہ فوراً اپکار اُٹھی۔کہ (بقولِ شاعر)!

میانجی نہ شاہِ آزادہ ء فرستندہ ء نے فرستادہ

تُو کوئی ملازم وقاصد تو ہے نہیں۔تُو تو خود ایک آزاد بادشاہ ہے۔تو بھیجا ہوا نہیں ہے۔بلکہ تُو تو خود بھیجنے والا ہے۔

یاد رہے۔کہ! اگر اس مشتِ خاکی (یعنی انسان) میں سرِّ کبریائی پوشیدہ نہ ہوتا۔تو پھر سجدہ صرف اور صِرف اُس ذاتِ وحدہ لاشریک کے لئے ہی مخصوص ہوتا۔اور جمیع ملائکہ سے حضرت انسان کو سجدہ نہ کرایا جاتا۔ چونکہ! اس ویرانے میں خزانہء سلطانی پنہاں رکھنا منظور تھا۔اسی لئے عالمِ ملکوت میں منادی کی گئی۔کہ! **فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعو لہ سٰجدین**۔ (ترجمہ) جب مَیں اسے (یعنی حضرتِ انسان کو) پورا بنالوں۔اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں۔تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ (سورہ حجر۔سورہ ص)

صفاتِ الٰھیہ میں بالکل بھی ٹکراؤ نھیں ھو سکتا :

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔کہ! حقائق یہ بتاتے ہیں۔کہ! صفاتِ الٰہیہ میں ٹکراؤ نہیں ہے۔بلکہ انسانی عقل درحقیقت حکمتِ الٰہیہ کے سمجھنے سے یکسر قاصر ہے۔مثلاً فضل عدل میں اور عدل فضل میں حکم نہیں لگاتا۔کیونکہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے حکم کی جا نہیں۔اور اس صفت کے حکم کا محل تو مفضول علیہ یا معدول علیہ میں ہے۔کیونکہ! ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ حسنِ ظن رکھتے ہیں۔کہ! اللہ تعالیٰ اپنے افضل سے ایسی جماعت کو بھی بخش دے گا۔جنہوں نے صرف برائی کی ہوئی ہوگی۔اور وہ ان پر میزانِ عدل قائم نہیں کرے گا۔یعنی اپنے عدل سے ان کی پکڑ نہیں کرے گا۔بلکہ ان پر اپنے فضل کا حکم لگائے گا۔جاننا چاہیئے۔کہ! اس صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا۔کہ! اس کے فضل نے اس کے عدل میں حکم لگایا۔

یاد رہے۔کہ! اسی لئے تو اکثر علمائے کرام اور محققین ان آیات **و صورکم فاحسن صورکم**۔ (اور تمھاری صورتیں بنائیں۔اور کیا ہی اچھی صورتیں بنائیں) جبکہ دوسری آیت **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**۔ (بے شک ہم نے انسان کو بہت ہی بھلی ساخت پر تخلیق کیا ہے) کی تفسیر فرماتے ہیں۔کہ! حضرت انسان فی الحقیقت ظاہری و باطنی حُسن و جمال رکھتا ہے۔اور یہ نسخہ جامعہ و مجموعہ کاملہ ہے۔اس میں جمیع موجوداتِ عالمِ خلق، امرِ ملکوتی، عالم علوی و سفلی اور منظوری مندرج ہیں۔یعنی کہ! اللہ تعالیٰ نے انسان کو جامع جمیع کمالات سے مزین و معمور فرما کر ظاہری و باطنی حسن و جمال سے تخلیق کیا۔یہ جمیع علوم و فنون و صنعت و حرفت کا جامع مجموعہ و خاصہ ہے۔کوئی علم، کوئی ہنر، کوئی پیشہ، کوئی صنعت اس سے باہر نہیں ہے۔جو بھی کچھ موجود ہے۔اسی کی نمود ہے۔کیونکہ! سبھی کچھ اسی کے اندرون ہے۔حقیقت میں انسان **گنجِ مخفی** کا نمونہ ہے۔ ماشاءاللہ انسانی شان تو **خلیفۃ اللہ** ہے۔ **قاب قوسین او ادنیٰ** اس کا مقام ہے۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** اس کا کلام ہے۔ **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** اس کی صورت ہے۔ **وعلم الانسان مالم یعلم۔ وعلمناہ من لدنا علما۔ وعلم آدم الاسمآء کلھا**۔ یہ انسان کو ودیعت کئے گئے علوم و خصائل ہیں۔ (بقولِ شاعر)

اے نامہء نسخہء الٰہی کہ تُوئی دے آئینہ جمالِ شاہی کہ تُوئی

بیرونِ زِ تُو نیست ہرچہء دو عالم ہست در خود بطلب ہر آں چہ خواہی کہ تُوئی

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کا ایک خاص علم :

حضرت علیؓ کو تصوف کے جلیل القدر معانی، اشارات، لطائف، مفرد و منفرد الفاظ، عباراتِ بیان، بیانِ توحید و رسالت ﷺ، حقیقتِ معرفت الٰہیہ، ایمان و ایقان وغیرہ میں خصوصی وارفع مقام حاصل تھا۔آپؓ کی عاداتِ مبارکہ اتنی عظیم القدر تھیں۔کہ صوفیہ کرام کے جس بھی طبقے کا اُنؓ سے تعلق رہا۔وہ انہیں مکمل طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے حدیث کمیل بن زیادؓ میں اپنے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا! یہاں ایک (ایسا) علم موجود ہے۔کہ کاش مجھے اِس کو سنبھالنے والا مل جاتا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک مرتبہ اپنے قلب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔کہ! ایمان یہاں ہے۔ الحاصل الکلام! تمام ملائکہ نے بارگاہ ایزدی میں **تعمیل** ارشاد کی۔اور سجدے میں گر پڑے۔مگر ابلیس لعین نے حکمِ ربانی سے سرگردانی کی۔اپنی برتری و کبریائی کو مدنظر رکھتے ہوئے انکار و استکبار کیا۔اور دائمًا مردودِ بارگاہ ٹھہرا۔پھر حضرت انسان (آدمؑ) کو بہکایا۔جنت سے نکلوایا۔خود بھی گمراہ ہوا۔اور تا قیامت دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی ٹھان لی۔

اربابِ ذی وقار و حاملینِ فہم و ادراک کو اس مقام پر تفکر و تدبر کرنا چاہیئے۔کہ! جب کوئی بھی شئے حضرت انسان سے خارج ہی نہیں ہے۔بلکہ عالمِ اکبر خود اس میں موجود ہے۔اور حضرت انسان کو اپنے نفس کو پہچاننے اور اس میں غور و فکر کرنے کی تلقین و تعلیم کی گئی ہے۔تو پھر یہ معاملہ کیا ہے۔کہ!

کون مسجود تھا؟ اور کون ساجد تھا؟ انکار کس نے کیا؟ اور حکم کس نے دیا؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن۔ واللہ بما تعملون بصیر**۔ (ترجمہ) وہی تو ہے۔

کہ جس نے تم میں سے کچھ کو کافر اور کچھ کو مومن پیدا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔(سورہ تغابن۔64)

(بعضے مفسرین نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے۔ کہ!) اُس ذاتِ عظیم نے ہر انسان کو یکساں جسم و جاں مگر جدا گانہ خصلتوں کے ساتھ دافرمایا۔ مؤمنین کو اجزائے صالحہ مثل مانند اعمال صالحہ ومسنونہ اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ تخلیق فرمایا۔ جبکہ کفار کو اجزائے قبیحہ مثل مانندِ اعمال قبیحہ مذمومہ اور عاداتِ خبیثہ کے تخلیق فرمایا۔ لہذا ہر واحد (یعنی حضراتِ انسان) ہم میں ان دو اجزاء کا جامع ہے۔ نیک و بد۔ جنتی و جہنمی۔ صالح و طالع۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا اور دیکھتا ہے۔ جو بھی شخص جس جزو کا تابع ہے۔ مذکورہ بیان کو دیکھتے ہوئے یہ واضح ہے۔ کہ! ذاتِ واحد کی دو ہی صفات ہیں۔ یہی رب یہی آدم۔ یہی رحمان یہی انسان۔۔۔ (بقولِ شاعر)

رحمان و رحیم و رحمتِ اَللہ مائیم ۔۔۔ شیطانِ رجیم و لعنتِ اَللہ مائیم

ہر نیک و بد کہ در جہاں مے گزر ۔۔۔ باللہ مائیم و ثم باللہ مائیم

رحمان ورحیم اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم ہی ہیں۔ اور شیطانِ لعین، گمراہ ومردود اور اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی ہم ہی ہیں۔ جو بھی کچھ نیک و بد دنیا جہاں میں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم ہی نہیں۔ بلکہ ہم ہی تو ہیں۔ (یعنی کہ) سب کچھ ہم ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ! انسان تو مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے۔ (یعنی کہ) سب کچھ ہم ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ! انسان مظہر ذاتِ الٰہی ہے۔ جب انسان نیک اعمال کرتا ہے۔ تو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور جب یہی انسان بد اور غیر شرعی امور میں اپنے ہاتھ وزبان وجسم کو گندہ کرتا ہے۔ تو وہ صفتِ ابلیسی کا عین نمونہ بن جاتا ہے۔

لہذا جب امر ربی کے تحت روح کوتنِ خاکی میں پھونک دیا گیا۔ تو اُس جسمِ انسانی میں عقل وفہم، تمیز وادراک، ہوش وحواس کی شمولیت کے بعد بحکمِ خداوندی ملائکہ سجدہ میں سَر کو جھکاتے ہیں۔ اور اطاعتِ خداوندی بجا لاتے ہیں۔ لیکن ہوائے شہوانی اور لذاتو خواہشاتِ نفسانی بالکل عدمِ فرمانبرداری اور مثلِ شیطان ہیں۔ اور اس کو بے نیازی کے نعیم وسقیم سے نکال کر حاجت مندی اور حرص وہوا کی زمین پر لاڈالتا ہے۔ ہر چند کہ روح وعقل ونفس ہر ایک بجائے خود جدا ہیں۔ لیکن ذاتِ انسان سے کوئی بھی خارج نہیں۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ! انسان خود ہی روح ہے۔ انسان ہی عقل ہے۔ اور انسان ہی نفس ہے۔ تو درحقیقت یہ درست ہی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ! صِرف روح وعقل یا صِرف نفس تو انسان نہیں۔ تو یہ بھی سچ ہے۔ کیونکہ! انسان بھی تو برملا اس بات کا اظہار کرتا ہے۔ کہ! میری **روح** ہے۔ میری **عقل** ہے۔ میرا **نفس** ہے۔

تو پھر وہ کون ہے۔ جس کی طرف یہ سب مضاف (جڑے ہوئے۔ جیسے کہ دن کا اُجالا۔ دن میں ہوتا ہی اجالا ہے۔ لیکن یہاں پر اجالا دن کا مضاف ہوا) ہیں۔ اگر بغور سوچا جائے۔ تو یہ خود ہی مضاف ہے۔ اور خود ہی مضافِ الیہ ہے۔ اور پھر خود ہی اس کا اسی کو کہیں پتہ بھی نہیں۔ روح بھی ہے۔ عقل بھی ہے۔ نفس بھی ہے۔ لیکن انسان خود کہاں !!! اگر روح امر ربی ہے۔ تو کس کے لئے ؟ اگر عقل بطور رہنما ہے۔ تو کس کے لئے ؟ اور اگر نفس گمراہ کرنے والا ہے تو کس کے لئے ؟ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت وضلالت (یعنی گمراہی) کے فاعل کو اپنی ہی ذات بتلایا ہے۔ اسی ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **فان اللہ یضل من یشآء و یھدی من یشآء** ۔ (ترجمہ) پس گمراہ کرتا ہے۔ اللہ جس کو چاہے۔ اور ہدایت کرتا ہے۔ جس کو چاہے۔ (سورہ فاطر) **و لو شآء اللہ لجعلکم امة واحدة و لکن یضل من یشآء و یھدی من یشآء** ۔ (ترجمہ) ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا۔ تو سب (ہی انسانوں کو) ایک ہی فرقہ بنادیتا۔ ولیکن وہ گمراہ کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے۔ اور ہدایت دیتا ہے وہ۔ جس کو چاہتا ہے۔ (سورہ نحل) **ان لو یشآء اللہ لھدی الناس جمیعا** ۔ (ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو سب کو راہ (ہدایت) پر لے آئے۔ (سورہ سجدہ) **و لو شئنا لاٰ یتنا کل نفس ھدٰیھا** ۔ (ترجمہ) پ اگر ہم چاہتے۔ تو ہر نفس کو اپنی راہ کی سوجھ بوجھ عطا کرتے۔ (سورہ سجدہ) اسی طرح ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے۔ کہ! **من یھدی اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ** ۔ (ترجمہ) جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔ تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جس کو وہ گمراہ کردے۔ تو اس کے سوا گمراہ ہونے والا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ (کیونکہ!) **من یھدی اللہ فھوا لمھتدی ط و من یضلل فا و لئک ھم الخسرون** ۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے (اُس کی بدقسمتی وبدنصیبی کی وجہ سے) گمراہ کردے۔ تو وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ (اعراف) غرضیکہ! ہدایت کرنا یا گمراہی کے گڑھے میں ڈالنا، ہر فعل کو اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنی ہی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو پھر کیا انسان (آدم)، کیا فرشتہ۔ کیا شیطان۔۔۔ لہذا ان آیات سے واضح وعیاں بلکہ ثابت ہوگیا۔ کہ! ذاتِ واحد کی دو صفات ہیں۔ صفتِ جمال۔ صفتِ جلال۔ اور یہ دونوں صفات ہی حضرت انسان میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ وہ کہیں ہدایت یافتہ ہے۔ اور کہیں مضل (گمراہ) شاعر کیا خوب کہتا ہے۔ کہ! **د دائک و دوائک فیک فلیس شیء خارجا منک انت ام الکتاب** ۔ (ترجمہ) دوئی کا خیال درد و غم ہے۔ جبکہ وحدت ویکتائی کا خیال دوائے اُتم۔ جس وقت تجھے تفکر وتدبر کرنے سے یہ سرِّ مخفی تجھ پر عیاں ومنکشف ہوگا۔ تو ظاہر ہوجائے گا۔ کہ! کوئی شئے تجھ سے خارج نہیں ہے۔ انکشافِ توحید جب اس وسعت کو پہنچے گا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ! تُو تو ام الکتاب ہے۔

(یاد رہے۔ کہ) کفروشرک انسان کے لئے درد ہیں۔ جبکہ توحید ومعرفت اِن کا علاج وتریاق ہیں۔ اے حضرت انسان! جب یقینِ قلب سے تم نے جان لیا۔ کہ! حقیقتًا ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی بھی موجود فی الخارج نہیں۔ اور یہ جو کچھ نظر آرہا ہے۔ جملہ موجودات فقط ایک وہمی، خیالی اعتبارات پر وابستہ ہیں۔ یہ معدومِ محض ہے۔ مگر موجودِ حقیقی اول وآخر، ظاہر وباطن اور رحمان وقہار ذاتِ پروردگار ہی ہے۔ بس یہی اس درد کی دوا

ہے۔یعنی اس کی ہستی کے باوجود اپنی ہستی کا ثبوت کرنا یہ درد ہے۔اور اپنی ہستی کو اس کی ذاتِ حق میں فنا کر دینا یہ دوا ہے۔

و تزعم انک جسم صغیر   **و فیک انطویٰ العالم الا کبر**

اور تُو گمان کرتا ہے۔کہ! تُو ایک چھوٹا سا جسم ہے۔حقیقت میں تیرے اندر ایک ''عالمِ اکبر'' لپٹا ہوا ہے۔

اس بات میں کسی بھی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔کہ! ہر انسان میں ایک عالم اکبر مندرج ہے۔جو سالک سلسلہء عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ہے۔اور وہ سلوکِ نقشبندیہ کو ابتداء سے انتہاء تک طے کر چکا ہو۔یا کسی سالک نے اگر سَیرِ انسانی کی ہے۔وہ بخوبی جانتا ہے۔بلکہ اس بات کی تصدیق لازماً کرے گا۔کہ! عالم کون اور عالم اَمر دونوں ہی ہر انسان میں مندرج ہیں۔بلکہ روح اللہ بھی اسی بھی موجود ہے۔جو ذات وصفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔وہی ذات وصفات روح اللہ کی بھی ہیں۔جب اللہ تعالیٰ جمیع اشیاء پر حاوی اور محیط ہے۔تو اسی طرح سے روح اللہ بھی حاوی ومحیط ہے۔

ویسے مجملاً ازروئے صورت تو انسان عالمِ صغیر ہے۔اور آفاق (کائنات) عالمِ کبیر ہے۔مگر مفصلاً ازروئے معانی لیکن ازروئے مرتبہ انسان عالمِ کبیر ہے۔اور آفاق عالمِ صغیر ہے۔ **و انت ام الکتٰب الذی ما حر فه یظھر المضمر.** اور تُو وہ ''ام الکتاب'' ہے۔کہ! اپنے حروف سے دل کی بات بخوبی جانتا ہے۔ (یاد رہے) کتابیں دو ہیں۔ام الکتاب۔کتابِ مبین۔

☆ **ام الکتاب:** وہ کتابِ حق کہ جس میں مجمل حال مندرج ہو۔جیسے کہ قرآنِ حکیم میں تمام قرآنِ پاک بطریقِ اجمال سورہ فاتحہ میں مندرج ہے۔ ☆ **کتابِ مبین:** وہ کتابِ حق کہ جس میں مجمل حال کی تفصیل مندرج ہو۔جیسے کہ پورے قرآنِ پاک (**الم** سے **والناس** تک) درحقیقت سورہ فاتحہ کی تفسیر وتفصیل ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔کہ! عالم بھی دو ہیں۔عالمِ اَمر۔عالمِ حق۔

اِنہیں دو عالم کو عالمِ آفاقی وانفسی بھی کہا جاتا ہے۔ ☆ **عالمِ اَمر:** وہ عالم جو قسمت پذیر نہ ہو۔ارشادِ ربانی ہے۔کہ! **قل الروح من امر ربی**۔کہہ دیں۔کہ! روح اللہ تعالیٰ کا امر (حکم) ہے۔ ☆ **عالمِ حق:** وہ عالم کہ جس کی تقسیم ومساحت (پیائش) ہو سکے۔کہ جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں یوں فرمایا ہے۔ **اللہ خالق کل شیء**۔ (اللہ تعالیٰ کل اشیاء کا خالق ہے) پس انسان تو ام الکتاب ہے۔کتابِ مبین ہے۔عالم امر ہے۔عالمِ آفاقی ہے۔ عالم انفسی ہے۔ غرضیکہ! جملہ موجودات کتابِ مبین ہے۔یا عالمِ خلق یا عالمِ آفاقی۔یعنی وہ مجمل ہے۔اور یہ سب اس کی تفاصیل ہیں۔اور اس اجمال وتفاصیل کا مرجع ومآب ذاتِ حق باری تعالیٰ ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔کہ! **الا له الخلق والامر۔ان الحق مبداء لکل و معادۃ و الیه یر جع الامر کله و الی اللہ عا قبة الامور**۔ (اللہ تعالیٰ سب کا مبداء ومعاد ہے۔اور تمام امور اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں۔کل امور کا انجام اللہ تعالیٰ ہی طرف سے ہے) بقولِ شاعر!

یہ راز کسی نہیں معلوم کہ مومن   قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

اسی لئے ضروری ہے۔کہ کل موجودات اپنی ہستی سے پہلے ذاتِ حق میں یا ذاتِ حق کل موجودات میں موجود ہو۔لیکن یہ امر متحقق ہے۔کہ ازل الآزال میں صِرف ذاتِ الٰہی تھی۔اور کچھ بھی نہ تھا۔ایک حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔کہ! **کان اللہ و لم یکن معه شیء**۔اللہ تعالیٰ موجود تھا۔اور کوئی شئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود نہ تھی۔اسی طرح سے مضمون'' **الآن کما کان** '' سے ظاہر ہے۔کہ! جیسا تھا۔اَب بھی ویسا ہی ہے۔لہذا معلوم یہ ہوا۔کہ! عالمِ امر اور عالمِ خلق دراصل غیر ذات نہیں۔بلکہ یہ تو اعتبارات ہیں۔(یاد رہے۔کہ) ذاتِ حق اس اعتبار سے کل موجودات میں اس میں مجملاً مندرج ہے۔وہ ام الکتاب ہے۔جبکہ عالمِ حق اس اعتبار سے کہ جو کچھ ذات میں مجمل ہے۔وہ علمِ الٰہی میں مفصل ہے۔اور جو کچھ اُس میں پوشیدہ ہے۔وہ اس میں ظاہر ہے۔وہ کتابِ مبین ہے۔ لہذا ذات کا ذاتی علم جملہ اشیاء کے علم کو مستلزم (جو اپنے اوپر کسی بات کو لازم کر) ہے۔تمام اشیاء ذاتِ حق میں ایسے ہے۔جیسے ایک کھجور میں **گھٹلی**۔یعنی علمِ حق، ذاتِ حق کا آئینہ ہے۔اور ذاتِ حق، دراصل علمِ حق میں عیاں ہے۔اسی لئے حقائقِ الٰہیہ میں ذاتِ حق ''ام الکتاب ہے۔جبکہ علمِ حق کتابِ مبین ہے۔ اور اسی طرح سے حقائقِ موجودات میں قلم ام الکتاب ہے۔اور لوحِ محفوظ کتابِ مبین ہے۔یعنی جو کچھ قلم میں مجمل تھا۔وہ لوحِ محفوظ میں مفصل ہوا۔ اسی ضمن میں نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔

ذاتِ بحث مبداءِ کل	ذاتِ حق	علمِ حق
ذاتِ حق	اُمّ الکتاب	کتاب المبین
حقائقِ الٰھیه	ذاتِ حق	علمِ حق
حقائق المو جودات	قلم	لوحِ محفوظ

ذاتِ حق اور قلم میں اجمال اور کلیت کے سبب مشابہت ہے۔ کیونکہ! دونوں ہی ام الکتاب ہیں۔اس لئے مرتبہ کونیہ میں قلم دراصل ذات کا آئینہ ہوا۔یعنی جو بھی کچھ ذات میں اجمالاً مندرج ہے۔وہی قلم میں بھی موجود ہے۔مرتبہء کونیہ میں لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کا آئینہ ومظہر ہے۔یعنی جو کچھ جزوی اور تفصیلی طور پر علمِ حق میں موجود ہے۔وہی لوحِ محفوظ میں ظاہر ہے۔لہذا عالمِ امر میں عقلِ اول، جس کو کہ قلم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔وہ اصل میں ام الکتاب ہے۔جبکہ روح، جس کو کہ لوحِ محفوظ کہا جاتا ہے۔وہ اصل میں کتابِ مبین ہے۔اسی طرح سے عالمِ خلق ہے۔

کہ جس میں عرش ام الکتاب ہے۔ جبکہ کرسی کتابِ مبین ہے۔ اس ضمن میں یہ والا نقشہ معاون ثابت ہوگا۔

حقائق الموجودات	ام الکتاب	کتاب المبین
عالمِ امر	عقل کل یعنی قلم	روح یعنی لوحِ محفوظ
عالمِ خلق	عرش	کرسی

یعنی کہ جو کچھ عرش میں مجمل ہے۔ وہی کرسی میں مفصل ہے۔ چنانچہ اجمال کے سبب عرش وقلم میں مشابہت ہے۔ اسی طرح تفصیل کی وجہ سے لوحِ محفوظ اور کرسی میں بھی مناسبت ہے۔ اسی لئے مرتبہء جس میں عرش قلم کا آئینہ ہے۔ جبکہ کرسی لوحِ محفوظ کا مظہر ہے۔
چنانچہ! قلم یعنی عقل، نسخہء ذات اور لوح، نسخہء علم اور عرش، نسخہء قلم اور کرسی، نسخہء لوحِ محفوظ اور انسان، کامل بالفعل اور عام انسان بالقوۃ ایک ایسا نسخہ ہے۔ جو جملہ نسخوں کا جامع ہے۔ اور تمام میں متخرج ومستنبط یعنی چیدہ و برگزیدہ ہے۔ یہ نقشہ دیکھیں۔

ذاتِ بحت مبداء کل	ام الکتاب	کتاب المبین
حقائقِ الٰھیہ	ذاتِ حق	علمِ حق
حقائقِ موجودات . عالمِ امر و عالم خلق	قلم یعنی عقل نسخہء ذات	لوح یعنی روح ، نسخہء علم
	عرش ، نسخہء قلم	کرسی ، نسخہء روح
	انسان جامع الکمالات	

جیسے ذاتِ حق بالا جمال ام الکتاب اور اس کا ذاتی علم بالتفصیل اپنی ذات کی کتابِ مبین ہے۔ اور ایسے ہی ذاتِ انسان کامل بالفعل اور عام انسان کی ذات بالقوۃ ام الکتاب ہے۔ اس کا ذاتی علم اپنی ذات کی کتابِ مبین ہے۔
اگر تیرے خانہء باطن میں کچھ بھی قابلیت ہے۔ تو تجھے بس ایک حرف ہی کافی ہے۔ (بقولِ شاعر)

دل گفت مَرا علمِ لدنی ہوس اَست — تعلیم کن اگر ترا دسترس اَست
گفتم کہ الف گفت دِگر گفتم ہیچ — در خانہ اگر کس است یک حرف ترا بس است

جس طرح کہ علمِ الٰہی، ذاتِ الٰہی کا آئینہ ومظہر ہے۔ اسی طرح انسان کا علم ذاتِ انسانی کا آئینہ ہے۔ لہذا ذاتِ حق تعالیٰ اور انسان کی ذات میں باعتبار کلیہ واجمال مشابہت ہے۔ کیونکہ دونوں ہی میں تمام اشیاء بہ وجہء کلی واجمالی موجود ہیں۔ جو شئے جزوی اور کلی طور پر علمِ الٰہی میں ظاہر ہے۔ وہی انسانِ کامل کے علم میں بالفعل اور عام انسان کے علم میں بالقوۃ ہویدا ہے۔ بلکہ اس کا علم، اس کی ذات ہے۔ لیکن نہ بطریقِ اتحاد وحلول اور ضرورت۔ کیونکہ! یہ بات تو دو وجودوں میں ہوتی ہے۔ جبکہ یہاں سوائے ایک وجود کے اور کچھ نہیں۔ اور کل موجودات اسی ایک وجود میں موجود ہیں۔ اور اسی وجود کے بہت سے ظہور ہیں۔ جن کو عالم کہتے ہیں۔ اور بہت سے بطون ہیں۔ جن کو **اسمآء** کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں عالم ہوئے بھارے ہو — اِک حرف عشق دا پڑھن نہ جانن بھلے پھرن بچارے ہو
لکھ نگاہ جے عالم دیکھے باہوؒ کسے نہ کدھی چاہڑے ہو — اِک نگاہ جے عاشق دیکھے لکھ ہزاراں تارے ہو
عشق عقل وچ منزل بھاری، سَے کوہاں دے پاڑے ہو — جنہاں عشق خرید نہ کیتا باہوؒ، اوہ دوہیں جہانیں مارے ہو

(بقولِ حضرت سلطان باہو شاہ شطاری قادریؒ)

الف اللہ دِل رَتّا میرا — مینوں ''ب'' دی خبر نہ کوئی
''ب'' رھیا کچھ سمجھ نہ آوے — الف دی لذت آئی
ع تے غ دا فرق نہ جاناں — ایہہ گل الف سمجھائی بلھا
قول الف دے پورے — جیہڑے دل دی کرن صفائی

لہذا عالم، وجود کے ظہور کا آئینہ ہے۔ جبکہ اسماء، بطون کے وجود کا آئینہ ہے۔ اسی لئے ظہور، ظہور کا آئینہ ہے۔ اور بطون، بطون کا آئینہ ہے۔ اور جو چیزان دونوں آئینوں کے وسط میں ہے۔ وہ اجمال وتفصیل کے اعتبار سے آئینہ ہے۔ جیسا کہ! ارشادِ رحمانی ہے۔ کہ! **مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغان** ۔ (اس نے دوسمندر بہادئے۔ جو کہ دیکھنے میں ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) یعنی جو کچھ قلم میں مجمل ہے۔ وہی روحِ انسان میں مجمل ہے۔ جو کچھ لوح میں مفصل ہے۔ وہی اس کے قلب میں مفصل ہے۔ جو کچھ عرش میں مجمل ہے۔ وہی کچھ اس کے جسم میں مجمل ہے۔ جو کچھ کرسی میں مفصل ہے۔ وہی اس کے نفس میں مفصل ہے۔ جاننا اور سمجھنا چاہیئے۔ کہ! انسان خود ہر شک وشبہ سے بالا ایک کتابِ عظیم ہے۔ انسان کتبِ الٰہیہ اور کتبِ کونیہ کی ایک جامع کتاب ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان گزرا ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم، جملہ اشیاء کے علوم وفنون کو مستلزم ہے۔ بے شک وہ جمیع اشیاء کو اجمالاً اور تفصیلاً جانتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **اقرا کتا بک کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا** ۔ (فرمایا جائے گا۔ اپنی کتاب (نامہء اعمال) آپ ہی پڑھ

لو۔آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لئے کافی ہو گے) غرضیکہ جس نے یہ کتاب پڑھ لی۔ یقیناً اس نے سب کچھ معلوم کر لیا۔کہ! جو ہو چکا ہے۔ جو ہو رہا ہے۔یا جو ہونے والا ہوگا۔(اسی طرح سے) انسان میں مسلماں کی عجیب شان کہابتداء ایسی اذاں سے کہ جس کی نماز نہیں۔اور اختتام ایسے، کہ نماز تو ہو گی لیکن بناء کسی اذاں کے۔(یعنی کہ) فیما بین ذاتِ حق اور ذاتِ انسان، جبکہ علمِ حق اور علمِ انسان میں مشابہت ومناسبت ہے۔یعنی کہ! جو اِس میں مجمل ہے۔وہی اُس میں مجمل ہے۔اور جو اِس میں مفصل ہے۔وہی اُس میں مفصل ہے۔اسی طرح فیما بین قلم اور روح انسان کے، اور روح وقلبِ انسان اورعرش وجسم انسان کے۔ اورکرسی ونفس انسان میں مشابہت ہے۔ان میں ہر ایک اپنے اپنے مشابہ کا آئینہ ہے۔نقشہء آئینہ یہ ہے۔

ذاتِ حق	ذاتِ انسان
علم حق	علم انسان
قلم	روحِ انسان
لوحِ محفوظ	قلبِ انسان
عرش	جسمِ انسان
کرسی	نفسِ انسان

یادرہے۔کہ! حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت امام ہمامؓ کو یہ تعلیم فرمائی۔کہ! پس تُو اپنے ہی نفس میں تفکر کر۔اس میں اگر درد ہے۔تو اسی میں ہی درد کی دوا بھی مضمر ہے۔کوئی بھی چیز اس سے باہر نہیں۔ جو کچھ نظر کے سامنے موجود ہے۔ یہ تو محض اعتبارات ہیں۔ عالمِ اکبر تو خود تیرے ہی اندرون موجود وموجزن ہے۔کوئی شئے تجھ سے خارج نہیں ہے۔صرف اجمال وتفصیل کا تفاوت ہے۔یہ جملہ تعلیمات باطنی اسرار ورموز پر مشتمل ہیں۔

رو تُو زنگار از رُخ خود پاک کن بعد ازاں نور را ادراک کن

غرضیکہ انسان ایک نسخہء عجیبہ اورجامع کلیہ ہے۔ ارشاد ہے۔کہ! **ذالک الکتاب لا ریب فیه** ۔(یعنی یہ تو وہ کتابِ عظیم ہے۔کہ! جس میں کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں) فی الحقیقت وہ کتابِ عظیم ذاتِ انسان ہے۔اَب رہیں۔وہ کتبِ سماوی (مثل قرآنِ حکیم،توریت،زبور،انجیل ودیگرصحائفِ انبیاءؑ)جو انساناً کامل وخیر البشر متقی لوگوں (انبیاءؑ ورسلؑ) پر نازل ہوتی رہیں۔وہ تو ذاتِ انسانی کا معرف ہیں۔اوراس کے جزوی وکلی حالات سے حکایت کرنے والی ہیں۔یعنی کہ وہ انسان کے مراتبِ کلیہ وجزیہ کا مجمل ومفصل بیان ہے۔اورانسان اس کی وحدت وجمعیت کا مقام ومرتبہ ہے۔اس لئے کہ اس کے مقامات ومراتب، ذات وصفات اورافعال کے تفاوت کا بیان اسی کتاب منزل میں مرقوم ہے۔چونکہ! وہ کتاب ذات واسماء، افعالِ عوالم، مراتبِ عوالم اوراہلِ عالم کے ہرموقع سے ،اس کے اہل کے اقتضا سے بااجمال وتفصیل حکایت کرتی ہے۔یہی تفاصیل دراصل انسان کے مقامات ومراتب پر دال ہیں۔اوروہ ان کا سب کامکمل مجموعہ ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا۔کہ! یہ کتاب انسان کی معرف ہے۔کلی وجزوی مراتب بیان کرنے والی ہے۔اس کتاب میں سورہ فاتحہ''ام الکتاب '' ہے۔اورسورہ فاتحہ شریف میں تسمیہ''بسم اللہ۔۔۔''اورتسمیہ شریف پوری کی پوری حرفِ اول''با''میں مندرج ومرقوم ہے۔نقطہء احدیت ذات ہے۔یادرہے۔کہ! تمام کتاب (یعنی پورے قرآنِ پاک) میں جوحروفِ مقطعات،مفصلات، الفاظ وکلمات،سورہ وآیات ہیں۔ان سے یہ مراد ہے۔کہ! اس مقدس وعظیم کتابِ الہامی کی کشادگی سب سے متعین ہوگئی۔اسی لئے اس میں تمام حالات کا مندرج ہونا عبارت ہے۔

لہٰذا جوشخص انبساط (سرور وشادمانی) سے اس قول کا ادراک کرلے گا۔تو اس پر اس آیت کے معنی کھل جائیں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **الم تر الی ربک کیف مد الظل ولو شآء لجعله سا کنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا ثم قبضنه الینا قبضا یسیرا** ۔(ترجمہ) کیا آپ نے نہیں دیکھا۔کہ آپ کے رب نے سائے کوکس طرح سے پھیلا دیا ہے ؟ اگر چاہتا تو اُسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا۔پھر ہم نے آفتاب کواس پر دلیل بنایا۔پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ (کھینچ) لیا۔ (سورہ فرقان۔19-03)

مد الظل سے مرادسائے کی درازی نقطہء وجودیہ کی کشادگی،حروفِ الٰہیہ وحروفِ کونیہ کے تعینات سے عبارت ہے۔اورسکون،نقطہء وجودیہ کے کشادہ نہ ہونے سے اورحروفِ الٰہیہ وحروفِ کونیہ کے عدم تعین سے عبارت ہے۔اگرآفتابِ احدیت،مطلعِ عزت سے نہ چمکے۔تو سایہ ندارد ہے۔ یہاں پر سائے کا ہمسایہ آفتاب ہے۔بقولِ تفسیر جواہر اسی آیت کی تفسیر میں یہ نقطہء وجودیہ درحقیقت ذاتِ احدیت''**کنت کنزا مخفیا**'' سے عبارت ہے۔

اَب تسمیہ کا ایک نقطہ''بآ'' نقطہء وجودیہ کی طرف اشارہ ہے۔اسی طرح سے دوسرا اشارہ''ام الکتاب'' کی ''قلم'' کی طرف ہے۔جبکہ تیسرا اشارہ ''ام الکتاب''کے''عرش'' کی طرف ہے۔اورفاتحہ کا اشارہ کتابِ جامع یعنی''انسان'' کی طرف ہے۔بے شک جوکہ اپنے ظہور سے پہلے جمیع مراتب میں مندرج تھا۔جیسے کہ جمیع اشیاءاس کے ظہور کے بعد اس میں مندرج ہیں۔نقطے کا کشادہ ہونا اپنی ذات میں''کتابِ مبین اول'' کی طرف اشارہ ہے۔اور''باء'' کا کشادہ ہونا''کتاب مبین ثانی'' کی طرف اشارہ ہے۔اسی طرح سے بسم اللہ۔۔کے حروف کامتصل ومنفصل (جدا) ہونا''کتابِ مبین ثالث'' کی طرف اشارہ ہے۔بسم اللہ کے حروف کا فاتحہ میں مکرر ہونا اورایک کا ایک کے ساتھ مشابہ ہونا کتابِ جامع یعنی''انسان'' کی طرف اشارہ ہے۔اسی طرح کتابِ مبین میں''**الم** '' سے''**والناس**'' تک تمام قرآنِ پاک مراتبِ عالم اوراس کے اجزاء کی طرف اشارہ ہے۔**فافهم**۔۔۔

جیسا کہ یہاں پر موجود نقشہ صفحہ پر مندرج ہے۔

نمبرشمار	نقاط	اشارات
01	نقط بائے بسم اللہ	نقطہ ءِ وجودیہ
02	بائے بسم اللہ	قلم
03	بسم اللہ	عرش
04	فاتحہ	انسانِ عام
05	کشادگی ءِ نقطہ	اول کتابِ مبین (یعنی) علمِ حق
06	باء کی کشادگی سین تک	ثانی کتابِ مبین (یعنی) لوحِ محفوظ
07	اتصال وانفصال (علحدہ) حروفِ بسم اللہ	ثالث کتابِ مبین (یعنی) کرسی
08	مشابہت وتکرار حروفِ بسم اللہ وفاتحہ	کتاب جامع (یعنی) انسانِ خاص
09	تمام قرآنِ پاک (از الم تا والناس)	اشارہ بطرفِ مراتبِ عالم معہ اجزاء

دل نے کہا۔ مجھے علمِ لدنی کی ہوس وآرزو ہے۔ تُو مجھے بس یہی تعلیم کر۔ اگر تجھے اس علم میں کچھ دسترس وواقفیت حاصل ہے تو۔ مَیں نے کہا۔'' الف'' تو اس نے کہا۔اور دوسرا ؟ مَیں نے کہا۔بس اور کچھ نہیں۔اگر تیرے باطن کے گھر میں کچھ ہے۔تو بس ایک حرف ہی تجھے کفایت کرے گا۔

فرقہ بندی ہے کہیں ، اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

جبکہ اولیائے ذی اکرام قرآن وحدیث کے باطنی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ باطنی حقائق ومعارف کی حقیقت سے بھی واقف وشناسا ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ایک مسلمان مومن بن کرعرفانِ الٰہی حاصل کرتے ہوئے عشقِ الٰہی میں محو ومستغرق ہوتا ہے۔تو اس کی زبان سے عجیب وغریب کلمات کا صدور ہوتا ہے۔ہاں البتہ اتنا سمجھ لو۔کہ''**حق الحقیقت**'' انسانِ کامل یعنی مومن ہونے سے ہی مراد ہے۔ جوکہ کسی عبارت ، کسی نظیر ومثال میں یا کسی کے وہم وتصور وتخیل میں قطعًا نہیں آ سکتا۔اور نہ ہی کسی اشارے وکنایہ سے کسی کوخبردار یا ہوشیار کیا جا سکتا ہے۔ سچے عاشقانِ الٰہی کے لبوں سے جب اسرار ورموز نکلتے ہیں۔تو لوگ عدم واقفیت کی بناء پراُن پرکفر کے فتوے داغ دیتے ہیں۔

نہ میں سنی نہ میں وہابی دوہاں توں دل سڑیا ہو — مُک گئے سبھ خشکی پَیندے دریا رحمت وَڑیا ہو
کئی من تارے تَرتَر ہارے ، کوئی کنارے چڑھیا ہو — صحیح سلامت چڑھ گئے باہوؒ ، مرشد دا لڑ پھڑیا ہو

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر نقشبندیؒ : حاملینِ علمِ لدنی میں سے ایک ولی الصفت بزرگ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ تھے۔جن کوخرقہ خلافت بیس اولیائے کاملین سے میسر ہوا۔اور سلسلہ عظیمہ حضرت سیدنا ابوبکرصدیقؓ تک جا پہنچتا ہے۔حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور حضرت شیخ ابوالعباس قصابؒ بھی محض امی تھے۔اور ایسے اُمی کہ''کاف''اور''قاف''میں تمیز تک نہیں کر سکتے تھے۔ایک بزرگ کو کہتے تھے۔**انت ماشوکی**۔ (معشوقی کو ماشوکی کہا کرتے تھے)اس کے باوجود یہ حضرات یگانہ روزگار اور فریدعصر ہوگزرے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کے غوث، جوکہ اکابر اولیاء کا سرخیل اور سردار ہوا کرتا ہے۔وہ اور دیگر بزرگ اولیاءاللہ اِنہیں سے کسبِ فیض حاصل کیا کرتے تھے۔بقول بابا بلھے شاہ شطاری قادریؒ !

رب رب کردے بڈھے ہو گئے ملاں پنڈت سارے — رب دا کھوج کھرا نہ لبھا سجدے کر کر ہارے
رب تے تیرے اندر وسدا وِچ قرآن اشارے — بلھے شاہؒ! رب اوہنوں مل سی جیہڑا اپنے نفس نوں مارے

اِسی راز کوحضرت بابا بلھے شاہ شطاری قادریؒ نے اس طرح سے بیان کیا ہے۔

جے میں تینوں اندرڈھونڈاں تے فیر مقید جاناں — جے میں تینوں باہرڈھونڈاں تے میرے اندرکون سمایا
سب کجھ توں ، ایں سب وچ توں ، ایں سب توں پاک پچھاناں
میں وی توں ہیں ، توں وی مَیں ہاں ، وت بلھا کون نمانا

گل سمجھ لئی تے رولا کیہ — ایہ رام رحیم تے مولا کیہ

بقولِ حضرت غوث الوقت جناب **حافظ برخوردار سچیار**ؒ (موضع برخوردار ، فیصل آباد)

ہر ہر جی توں ہر جی اندر اپنا آپ پچھاتا کر — تسبیح مالا دو حداں اندر ہکسے دھاگے جاتا کر
ٹھاکر دوارے مسجد اندر رام رحیم پچھاتا کر — برخوردارا مکہ گنگا ہک سے پانی نہاتا کر

حقیقتِ توحیدِ الٰہی و عرفانِ الٰہی یا معرفتِ حقِ متعال دَر عکسِ انسانی

اَز خدا خواہیم توفیقِ اَدب بے اَدب محروم گشت اَز لطفِ رب
بے اَدب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یہ فقیرِ حقیر پُرتقصیر (البلوشی) اِس مضمون کو شروع کرنے سے پہلے ایک آیتِ کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ! **انا فی ذٰلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید** ۔ یقیناً اس (قرآن) میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے۔جس کے پاس دل ہو۔یا جو حاضر دماغ بن کر کان دھرے۔اور متوجہ ہو۔(سورہ ق۔آیت 37)

قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔کہ! **کل نفس ذآئقۃ الموت**۔ ہرنفس نے موت کا ذائقہ (بالآخرضرور) چکھنا ہے۔(اسی طرح سے قرآن حکیم میں آیا ہے۔کہ) **ولا بئس ما شروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون** ۔اور البتہ جس چیز کے بدل (عوض) انہوں نے اپنے نفس (جانوں) کو فروخت کردیا۔وہ بری تھی۔کاش وہ (اس بات کو) جانتے۔ (بقول حضرت شیخ عبداللہ انصاری پیرِ ہراتؒ)

یا رب زِ تُو آنچہ من گدا میخواہم افزوں زِ ہزار بادشاہ میخواہم
ہر کس زورِ تُو حاجتے مے خواہد من آمدہ زِ تُو ترا میخواہم

(اے میرے پروردگار! یہ گدا تجھ سے جو کچھ طلب کرتا ہے۔ ہزار بادشاہوں سے زیادہ مانگتا ہے۔ ہر شخص تیرے دَر سے کوئی نہ کوئی حاجت (تو ضرور) طلب کرتا ہے۔میں بھی (ایک ادنیٰ سا حاجمت مند بن کر) آیا ہوں۔اور تجھ سے تجھ ہی کو طلب کرتا ہوں)

حقیقتِ توحید کا حضرت غوثِ صمدانی قطبِ ربانی محبوبِ سبحانی پیرانِ پیر جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اِن فرمودات میں پنہاں و پوشیدہ ہے۔لہذا! یہاں پرحضور غوث پاکؒ کے چند قیمتی کلمات بطورِ تبریک پیش کئے جاتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں۔کہ! وہ وجودِ مطلق تعالیٰ شانہ مستغنی عن العالمین ہے۔(وہ ذاتِ حق) نہ عاشق ہے نہ معشوق۔نہ خالق ہے نہ مخلوق۔نہ صانع ہے نہ مصنوع۔نہ رازق ہے نہ مرزوق۔نہ عابد ہے نہ معبود۔نہ فاعل ہے نہ مفعول۔بلکہ (وہ تو فقط بقولِ قرآنِ حکیم) **اللہ احد. اللہ الصمد. لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد.**

ایک اور فرمانِ غوثیہ یہ بھی ہے۔کہ! **موحد** جب مقامِ توحید پر پہنچتا ہے۔تو نہ وہ موحد رہتا ہے نہ توحید۔نہ واحد نہ بسیار (بہت زیادہ یعنی ایک سے زیادہ)۔نہ عابد نہ معبود۔نہ ہستی نہ نیستی۔نہ صفت نہ موصوف۔نہ ظاہر نہ باطن۔نہ منزل نہ مقام۔نہ کفر نہ اسلام۔نہ کافر نہ مسلمان۔(لیکن افسوس) یہ فرموداتِ غوثیہ اکثر عاقل وحکیم، دانا و عالم لوگوں کے پیمانہء فہم وادراک سے بعید و بالا ہیں۔

در خانہء باطن اگر کَس اَست یک حرف بَس اَست

ایک اور فرمانِ غوثیہ یہ بھی ہے۔کہ! جو بندہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔اس کی زبان گونگی ہوجاتی ہے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔تو اسے نئی زندگی بخش دیتا ہے۔پھر وہ بغیر آلات کے ،بغیر ترتیب کے، بغیر مہلت کے اور بغیر سبب کے بولنے لگتا ہے۔اس کی زبان اور اس کی انگلی میں کچھ تفاوت باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ! اس حالت میں (عارفِ الٰہی کے لئے) ! نہ حجاب ہوتا ہے۔نہ قیود۔ نہ دروازہ ہوتا ہے۔نہ دربان۔ نہ اِذن ہوتا ہے۔اور نہ اجازت کی طلب۔ نہ تولیت ہوتی ہے۔نہ تقرروموقوفی۔ نہ شیطان ہوتا ہے۔نہ سلطان۔ نہ دل ہوتا ہے۔اور نہ انگلیاں۔

جو آج غائب رہا۔اس نے نقصان اُٹھایا۔تُو کہہ دے۔کہ! پہلا اور دوسرا قدم رکھنے میں حاصل نہیں ہوتا۔تُو کہہ دے۔کہ! پہلا قدم اپنے خانہء وجود سے نکلنا ہے۔جبکہ دوسرا قدم نعمتِ الٰہی ''**الحمد للہ رب العالمین**'' ہے۔ اور دروازے پر ٹھہرنا ہے۔اس کے بعد اس کے دیدار کے وقت ''**ایاک نعبد و ایاک نستعین**'' ہے۔اور دیدار کے بعد ''**واسجد واقترب**'' ہے۔

جیسا کہ! ابھی ابھی حضرت پیرانِ پیرؒ کے فرمودات بطورِتبریک پیش کئے گئے۔اِسی ضمن میں حضرت ابوبکر واسطیؒ نے فرمایا۔کہ!

خلق دَر راہِ حق نیست و حق دَر راہِ خلق نیست

خلق راہِ حق میں نہیں ہے۔اور حق راہِ خلق میں نہیں ہے۔(یعنی) خدا تو یگانہ ہے۔اگر خدا یگانہ ہی ہے۔تو یہ بھیڑ بھاڑ کیسی ہے ؟(بقولِ شاعر)

جبکہ اُس بِن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ! اے خدا کیا ہے ؟

صورتِ جذبہ، کہ جس میں تمام بشریت فنا ہوجائے۔اور پھر یہی خطرہ (نفسِ مطمئنہ کا خطرہءرحمانی) سالکِ راہ ہوکر تمام مخلوق کی رہنمائی کرے۔کبھی ''احد'' ہو۔اور کبھی ''احد'' سے ''احمد'' ہو۔(یعنی بمطابقِ حدیث)**انا احمد بلا میم** اسی سر کی طرف اشارہ ہے۔جب احد ہے۔تو کسی نسبت کے ساتھ منسوب نہیں۔اور جب احمد ہوا۔تو منسوب بہ رسالت منجانبِ الٰہی ہوگیا۔**الٓمٓ** کا میم روح الامین حضرت جبرائیلؑ پر دلالت کرتا ہے۔کہ وہ مضمونِ قرآن کو ہی میں لاتے ہیں۔اور رسول ﷺ **قاب قوسین او ادنٰی** کی طرف لے جاتے ہیں۔جو الوہیت، ربوبیت کو آراستہ کرتے ہیں۔اور جو خود فرماتے۔وہ حدیث کی طرف منسوب ہوجاتا۔افعالِ رسولؐ اُمت کے لئے مؤجبِ عمل ہیں۔اور حق و باطل میں تمیز کرنے والے۔۔۔یہی خطرہ۔۔۔کبھی احد کبھی احمد، کبھی وحی کبھی رسالت، کبھی ظاہر کبھی باطن، کبھی حج کبھی کعبہ، کبھی عصا کبھی کاسہ، کبھی خرقہ کبھی صوفی (یعنی پہننے والا) کبھی راہ کبھی رہبر، کبھی سالک کبھی مسلوک کبھی وقت کبھی اوقات اور خطرہء

رحمانی پیشوائے ہردو عالم ہے۔ جومزین وآراستہ ہو۔ اورجس نے اس کو نہ پایا۔ تو گویا گوہرِ نایاب ونافقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جس صفت پر گردش کرتا ہے۔ پس ایسی صفت کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے لئے کوئی دَر بند نہیں ہے۔ تعین ولاتعین اس کے سامنے ایسے جواہرات ہیں۔ کہ! جس سے دل و دماغ کی کدورتیں جس قدر صاف اور زائل ہوں۔ اُتنا ہی کشف سے روشن ہو جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ) اوریہی علمِ باطن ہے۔

فقر مقامِ نظر ، علم مقامِ خبر   فقر میں مستیء ثواب ، علم میں مستیء گناہ

ایک بزرگ نے حقیقتِ توحید ومعرفتِ الٰہی کے ضمن میں فرمایا۔ کہ! ہر ایک جس راز کی تلاش کرتا ہے۔ وہ پالیتا ہے۔ بشرطیکہ! اُس کے اندر صدق ، اخلاص اور استقلال موجود ہو۔ لہٰذا تلاش ہمیشہ جاری رکھنی چاہیئے۔ یاد رہے۔ کہ! اس متبرک و بلند منزل و مقام کی تلاش و حصول کی کوشش بھی موجب اَجر وثواب ہے۔ پس چاہیئے۔ کہ! اِسی تلاش اور سفر میں ہمیشہ چلتے رہنا چاہیئے۔ (کیونکہ)

اس دوران قلب کی آواز کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ جب وہ اپنی تلاش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ راز پالیتا ہے۔ تو اُس کی ذات اس راز میں گم ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ ایک نئی ذات میں ڈھل جاتا ہے۔ یاد رہے۔ کہ! انسان دنیا کا اور دنیا انسان کا عکس ہے۔ چاہیئے۔ کہ! پہلے انسان خود کو دیکھے۔ پھر اس لامحدود جہان پر نظر ڈالے۔ (یعنی) انسان ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ اور عالم ایک مکمل انسان کا روپ دھارے ہوئے ہے۔

عشق انسان کو قلندرِ بوعلیؒ کرتا ہے   عشق پاگل نہیں (بلکہ) پاگل کو ولی کرتا ہے

بہر حال! اولیاءاللہ کے عجیب وغریب اقوال عام وخاص لوگوں بلکہ علمائے عظام تک کی سمجھ میں نہیں آتے۔ کیونکہ! وہ ساری عمر قیل وقال میں صرف کر دیتے ہیں۔ جبکہ یہ معاملات باطنی ومخفی نوعیت کے ہیں۔ اسی لئے تو چند صحابہ ءکرامؓ کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ بدر کر دیا تھا۔ کہ وہ رازِ الٰہیہ کو سرعام جب لوگوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ تو لوگوں کے فہم وادراک میں اُنؓ کی باتیں نہیں آتی تھیں۔

نفس کی پہچان سے رب کی پہچان کیسے ممکن ھے ؟

حضرت نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ! ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے۔ **من عرف اللہ کل لسانہ**۔ (یعنی) جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی۔ اُس کی زبان بند ہوگئی۔ اس مضمون میں ہم ایک قولِ رحمانی ، جو کہ اگلے زمانے کے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا۔ کہ! **اعرف نفسک تعرف ربک**۔ پہچانو اپنے نفس کو (تاکہ) پہچانو اپنے رب کو۔ اسی طرح سے حضرت امام غزالیؒ نے ایک حدیثِ نبوی ﷺ بیان کی ہے۔ کہ! **فان اللہ خلق اٰدم علٰی صورتہ۔ فاعرف نفسک یا انسان تعرف ربک**۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی (ہی) صورت پر پیدا کیا۔ پس اے انسان! تُو پہچان اپنے نفس کو۔ تاکہ پہچانے تُو اپنے خدا کو۔ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی وجود نہیں رکھتا۔ وہی تھا۔ وہی ہے۔ اور وہی ہمیشہ رہے گا) یعنی جب تم نے اپنا آپ پالیا۔ اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اور اپنی حقیقت سے روشناس ہو گئے۔ تو سمجھو کہ تم عین صاحبِ بقاء ہو گئے۔ حضرت نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ! **من عرف نفسہ بالعجز والفناء فقد عرف ربہ بالقدر والبقاء**۔ (یعنی) جس نے اپنے نفس کو عجز وفناء سے پہچان لیا۔ پس اُس نے اپنے رب کو قدر وبقاء سے پہچان لیا۔ (اس کا مطلب ہے۔ کہ) جو اپنے نفس کو پہچان لے۔ سمجھو وہ بقاء پا گیا۔ اسی طرح سے ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ کہ! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اس نے اپنے آپ کو اپنے مالک (رب العالمین) کے سپرد کر دیا۔ اور جس نے اپنے رب کو ربوبیت کے ساتھ پہچانا۔ وہ اس کی عبودیت کی شرائط کو پورا کرتا ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو جزاء سے پہچانا۔ اس نے اپنے آپ کو مشکلات میں ڈال دیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو کافی ہونے میں پہچانا۔ تو اس نے دوسروں کو چھوڑ کر اسی کو کافی جانا۔ اِسی طرح سے مشہور قولِ حضرت علی المرتضیٰؓ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ (ترجمہ) جس نے اپنے نفس (اپنی ذات) کو پہچان لیا۔ اُس نے رب کو پہچان لیا۔ کی کچھ شرح بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ (کیونکہ) علمِ معرفت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ خصوصی علم ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے انوارات میں سے بہترین نور ، اچھی خصلت اور خوبی ہے۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے قلوب کو تکریم بخشی ہے۔ چونکہ آدمی کا قلب آئینہ کے مثل ہے۔ لہٰذا جو بھی اس میں غور کرے گا۔ وہ ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔ (انشاءاللہ) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حسن وجمال اور بلند مرتبے سے مزین ومعمور کیا۔ اور اسی کے ذریعے سے اپنے اولیاء اور محبوبین کو مخصوص کیا۔ اور اسی علم (یعنی علمِ معرفتِ الٰہی) کو جملہ تمام علوم پر برتری وفضیلت بخشی۔

(اسی ضمن میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔ کہ!) رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور پوچھا کہ! کون سا عمل افضل ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم۔ (یعنی معرفتِ الٰہی)

☆ ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو وہ علم عطا فرماتا ہے۔ جو اس کو حاصل نہیں۔

☆ (ایک اور روایت ہے۔ کہ!) حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا۔ کہ اے میرے رب عزوجل! تیرے کون سے بندے زیادہ نیکیاں کرنے والے ہیں ؟ اور تیرے نزدیک بلند مرتبے والے ہیں ؟ (تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ جو میرے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔

☆ (اسی طرح سے ایک اور روایت ہے۔ کہ!) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی کی۔ اور فرمایا۔ کہ! اے داؤدؑ! نفع دینے والا علم سیکھو۔ (تو حضرت داؤدؑ نے نہایت عاجزی سے) کہا۔ اے اللہ! نفع دینے والا کون سا علم ہے ؟ (تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ یہ کہ! تُو میرے جلال ،عظمت ، کبریائی اور ہر (وہ) چیز (کہ جس) پر میری قدرت کو پہچان لے۔ تو یہی چیز تجھے میرے قریب کر سکتی ہے۔ (یعنی کہ) علمِ نافع مشاہدہ کا نام

ہے۔ بظاہر بھی اور بباطن بھی۔ یعنی علمِ نافع وہ ہے۔ جو آپؐ کو مجھ تک پہنچا دے گا۔ اور اس طرح کہ ہر چیز میں آپؐ مجھ کو ہی پائیں۔ اور ہر آن میں مجھ کو ہی یاد کریں۔ تو میں اس کا بے علمی اور جہالت کا کوئی عذر قبول نہیں کروں گا۔ (لہذا) ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی وحدانیت سمجھنے والے کی معرفت کے لئے خود کو مستعد و کوشاں کر لیں۔ ورنہ بہت سے ایسے اشخاص بھی ہیں۔ جو روایت تو بہت زیادہ کرتے ہیں۔ (یعنی قیل و قال رٹتے رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے حوالے دیتے رہتے ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں انہیں کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔ (کیونکہ) علم معرفت اللہ تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل و کرم ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے۔ عطا کرتا ہے۔ اور پھر اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز و برگزیدہ اور معزز و مکرم بنا دیتا ہے۔

حقائقِ معرفت کے ضمن میں چند اقوال اَز حضرت علی المرتضٰیؓ :

☆ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه**۔ جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے رب کو (بھی) پہچان لیتا ہے۔ (اسی طرح ایک اور جگہ آپؓ نے فرمایا۔ کہ) جب حضرت علی شیرِ خداؓ سے معرفت کے متعلق سوال کیا گیا۔ (یعنی کہ) مسائل تصوف کے سلسلے میں آپؓ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کس ذریعے سے حاصل کی؟ (یعنی کہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح سے پہچانا؟) تو آپؓ نے فرمایا۔ تو آپؓ نے (جواباً) فرمایا۔ کہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو اسی اللہ تعالیٰ کو میں نے اللہ تعالیٰ ہی سے پہچانا۔ اور ماسوا اللہ تعالیٰ کو نورِ الٰہی سے جانا۔ ذریعے سے پہچانا ہے۔ جس سے اُس نے مجھے اپنی پہچان کرائی۔ کوئی صورت اس جیسی نہیں۔ کسی حس سے اسے جانا نہیں جا سکتا۔ نہ ہی ذہن دوڑا کر اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ کہ وہ کس مخلوق کی طرح ہوگا۔ وہ بعید ہو کر قریب اور قریب ہو کر بعید ہے۔ ہر شئے سے اوپر ہے۔ مگر یہ نہیں کہا سکتا۔ کہ کوئی شئے اس کے نیچے ہے۔ ہر شئے کے نیچے بھی وہی ہے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ کوئی شئے اس کے اوپر ہے۔ وہ ہر شئے کے سامنے ہے۔ لیکن کوئی شئے اس کے سامنے نہیں۔ وہ ہر شئے میں داخل بھی ہے۔ لیکن ایسے نہیں۔ کہ جیسے دوسری اشیاء داخل ہوتی ہیں۔ نہ (تو) وہ کسی شئے میں سے بنا ہے۔ نہ کسی شئے میں ہے۔ اور نہ کسی شئے کے ساتھ ہے۔ وہ اللہ پاک (ایسے) ہے۔ جیسے کہ! مخلوق میں سے کوئی شئے بھی ان صفات کی مالک (حامل) نہیں۔ ☆ حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے۔ کہ آپؓ سے دریافت کیا گیا۔ کہ! ایسا کون ہے۔ جو عیب سے محفوظ رہے؟ (تو) آپؓ نے (جواباً) فرمایا۔ کہ! ایسا (تو) وہ شخص ہوگا۔ جو عقل کو امیر بنائے (یعنی عقل کے مشورے سے چلے) اور اس (عقل) کا کوئی وزیر نہ ہو۔ عقل کو نصیحت کرتے رہنے کا پابند بنائے۔ صبر کو قائد بنائے (جملہ امور میں صبر کرنا سیکھے)۔ تقوٰی پر کاربند رہنا سیکھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیشہ ہو۔ موت اور آزمائش کو (اپنا) دوست بنائے۔ ☆ بقول حضرت ابوالحسن نوری! کوئی دلیل سوائے حق تعالیٰ کے اس عرفان میں دل کے لئے نہیں۔ اور علم (تو) محض آدابِ خدمت کو طلب کرتا ہے نہ کہ صحتِ معرفت کو۔ اور مخلوقاتِ خدا میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ ☆ بقول حضرت عبداللہ بن مبارکؒ معرفت یہ ہے۔ کہ کوئی چیز تجھے حیرت میں نہ ڈالے۔ ☆ بقول حضرت ذوالنون مصریؒ! معرفت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ! اسرارِ حق پر (تُو) مطلع ہو۔ اور لطائف انوار (تجھ) پر کھل جائیں۔ ☆ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! معرفت یہی ہے۔ کہ! بندہ جان لے کہ! مخلوقات کی تمام حرکتیں اور جملہ سکون حق تعالیٰ شانہ (ہی) کی طرف سے ہیں۔ ☆ حضرت محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں۔ کہ! عارف میں یہ صفات ہونی چاہئیں۔ (کہ) جو عارف ہو جائے۔ وہ کم سخن اور دائم التحیر ہو۔ ☆ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! حقیقتِ معرفت یہ ہے۔ کہ! معرفتِ حق سے بندہ خود کو عاجز سمجھے۔ ☆ حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ (وہ) سب سے منقطع ہو گیا۔ بلکہ گونگا ہو کر سب سے جدا ہو گیا۔

☆ روایت ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد نبیؑ کی طرف وحی فرمائی۔ کہ! جس نے مجھے پہچانا۔ (اور) اس نے میرا ارادہ کیا۔ اور مجھے طلب کیا۔ اور مجھے ڈھونڈ (بھی) لیا۔ اور جو مجھے پا لیتا ہے۔ تو وہ میرے علاوہ کسی (دوسرے) کو دوست نہیں بناتا۔ (اسی وجہ سے) جاننا چاہیئے کہ! اپنے آپ کو پہچاننا درحقیقت بندگی کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ کیونکہ! بہت ہی کم لوگ اپنے آپ کو پہچانتے ہیں۔ بندے کے اپنے رب کو پہچاننے کو اپنے نفس کو پہچاننے کے برابر ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی واضح دلیل یہ ہے۔ کہ! جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ تو اس نے بندگی کے مقام پر رب کی ربوبیت کے مرتبے کو بھی پہچان لیا۔ جس نے اپنے نفس کو فنا سے پہچانا۔ تو اس نے اپنے رب کو بقاء سے پہچانا۔ جبکہ جس نے اپنے آپ کو جفاء اور غلطی سے پہچانا۔ اس نے اپنے رب کو وفا اور عطا سے پہچانا۔ جس نے اپنے آپ کو فقیری (اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتے ہوئے بھی فقیر جانا) سے پہچانا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجبوری اور بے چینی کے قدموں سے چلا۔ اور جس نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے لئے پہچانا۔ تو دوسروں کے سامنے اس کی حاجتیں بھی کم ہو جاتی ہیں۔ اولیاء اللہ تو اللہ تعالیٰ سے یہ گمان کیا کرتے ہیں۔ کہ! جس نے اللہ تعالیٰ کو توبہ کے ذریعے تلاش کیا۔ تو وہ اسے مغفرت کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جس نے اسے نعمتوں و رحمتوں کے شکر کے ساتھ طلب کیا۔ تو وہ اسے مزید نعمتوں و رحمتوں کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جس نے اسے دُعا کے ذریعے تلاش کیا۔ تو وہ اسے مغفرت، رحم اور استجابت کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جو اسے توکل و قناعت کے ساتھ تلاش کرے گا۔ تو وہ اسے کفایت کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جو اسے قربت کے ساتھ تلاش کرے گا۔ تو وہ اسے موانست کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جو اسے عشق و محبت کے ساتھ ڈھونڈے گا۔ تو وہ اسے وصل و ملاپ کے ساتھ دیکھے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جو شخص اسے اشتیاق و شوق کی مدد سے تلاش کرے گا۔ تو وہ اسے ملاقات اور رویئت کے ساتھ پائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور جو شخص اس کے ساتھ مظبوط تعلق کی تلاش میں نکلتا ہے۔ تو وہ اسے سیدھے راستے پر گامزن کر دے گا۔ ان شاء اللہ۔

تفسیر سورہ اخلاص اَز علامہ محمد اقبالؒ :

عقیدہ ءتوحید کو سمجھنے کے لئے قرآنِ کریم پورا کا پورا ہی نازل ہوا ہے۔لیکن سورہ ءاخلاص میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جس قدر پیارے اسلوب وانداز میں بیان ہوئی ہے۔ شاید ہی کہیں اور کسی سورہ یا آیت میں ہو۔اور علامہ اقبالؒ تفسیر سورہ اخلاص (جو کہ انہوں نے حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو خواب میں دیکھنے کے بعد) منظوم فارسی زبان میں تحریر فرمائی۔سورۂ اخلاص کا یہ خلاصہ واقعتاً اپنے اندر بہت ہی زیادہ رموز واسرار سموئے ہوئے ہے۔اس کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

گفتمش ای خاصہ ء خاصانِ عشق — عشق تو سر مطلع دیوان عشق
پختہ از دستت اساس کارِ ما — چارہ ئی فرما پی آزارِ ما
گفت تاکی در ہوس گردی اسیر — آب و تاب اِز سورہ اخلاص گیر

ترجمہ :مَیں نے کہا۔آپؓ کا عشق خاص الخاص ہے۔آپؓ کا عشق، دیوانِ عشق کا مطلع (یعنی پہلا شعر) ہے۔آپؓ کے ہاتھوں ہی ہمارے معاملات کی بنیاد مضبوط ہوئی۔آپؓ ہمارے درد کا بھی کوئی چارہ فرما دیجیئے۔(میری گزارش پر جواباً حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔کہ!) تُو کب تک حرص وہوس کا اسیر (قیدی) رہے گا۔تجھے تو سورہ اخلاص سے روشنی حاصل کرنی چاہیئے۔

آنکہ نام تو مسلمان کردہ است — اَز دوئی سوی یکی آوردہ است
خویشتن را ترک و افغان خواندہ ئی — وای بر تُو آنچہ بودی ماندہ ئی

ترجمہ: وہ ذات کہ جس نے تیرے نام مسلمان رکھا ہے۔وہ تجھے دوئی (شرک) سے وحدت کی طرف لائی ہے۔لیکن تُو تو خود کو تُرک اور افغان کہلانا پسند کرتا ہے۔افسوس تجھ پر کہ تُو کبھی جو تھا۔اَب وہ نہیں۔

یک شو و توحید را مشہود کن — غائبش را اَز عمل موجود کن
لذتِ ایمان فزاید در عمل — مُردہ آں ایمان کہ ناید در عمل

ترجمہ: تم ایک ہو جاؤ۔اور توحید (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور تمام مسلمانوں کا یک جان ہو جانا) کا اظہار کر دو۔پھر اپنے عمل سے غائب کو موجود کر دو۔ایمان کی لذت (مزہ اور سرور) عمل کرنے سے بڑھتی ہے۔مُردہ ہے وہ ایمان، کہ جس میں عمل نہ ہو۔

گر بہ اللہ الصمد دل بستہ ئی — اَز حد اسباب بیرون جستہ ئی
بندہء حق بندہء اسباب نیست — زندگانی گردشِ دولاب نیست
مسلم استی بی نیاز اَز غیر شو — اھلِ عالم را سراپا خیر شو

ترجمہ: اگر تم نے دل خدائے بے نیاز سے وابستہ کر ہی لیا ہے۔تو تُو سمجھ لے کہ اَب تُو اسباب کی حدود سے نکل چکا ہے۔اس لئے کہ! اللہ تعالیٰ کا بندہ اسباب کا بندہ نہیں۔اور زندگی رہٹ (رہٹ یعنی وہ چکر کہ جس کے چلنے سے کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے) کا چکر نہیں ہے۔اگر تو تُو (واقعی) مسلم ہے۔تو غیر (خدا) سے بے نیاز ہو جا۔اور دنیا والوں کے لئے سراپا خیر ہو جا۔(بقول اقبال)

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اور اسی طرح سے

خوار اَز مہجورہ قرآن شدی — شکوہ سنج گردش دوران شدی
ای چو شبنم بر زمین افتندہ ئی — در بغل داری کتاب زندہ ئی
تا کجا در خاک می گیری وطن — رخت بردار و سر گردون فگن

ترجمہ: تیری ذلت ورسوائی کا سبب تو (صرف اور صرف) یہ ہے۔کہ! تو نے قرآن چھوڑ دیا۔اور زمانے کی گردش کے شکوے کرنے لگا۔اے شبنم کی طرح زمین پر گرنے والے۔تیرے پاس ایک زندہ کتاب (ہدایت فراہم کرنے والی کتاب یعنی قرآنِ پاک) موجود ہے۔(اس کتاب کے ہوتے ہوئے بھی) تُو آخر کب تک یونہی خاک نشین رہے گا۔اُٹھ۔اَب اپنا رخت سفر باندھ۔اور آسمان کی بلندیوں کو (اپنے ہاتھوں اور جسم و جان کے ساتھ) چھولے۔

تُو تو خود سے نہیں ہے آشنا — تیری ذات تجھ ہی پہ راز ہے
تیرے قلب میں ہے چھپا ہوا — تیری روح کو جس کی تلاش ہے

حکایت : کہتے ہیں۔کہ! حضرت خواجہ شفیق بلخیؒ کے پاس کوئی شخص آیا۔اور کہا۔کہ! اے شیخ! مجھے توحید سمجھایئے۔اور زبانِ مبارک سے کچھ فرمایئے۔حضرت خواجہؒ نے اُس شخص سے شکر منگوائی۔جب وہ لے آیا۔تو اُس کو شکر دِکھلا کر آپؒ نے پوچھا۔کہ! یہ کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا۔کہ! یہ شکر ہے۔حضرت خواجہؒ نے اُس شخص کو کہا۔کہ! تم اِس شکر سے آدمی،گھوڑا،بیل وغیرہ کی شکل بناؤ۔آپؒ کے فرمانے پر اس نے شکر کی مختلف صورتیں بنائیں۔حضرت خواجہؒ نے ایک ایک شکل کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے گئے۔کہ! یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا۔یہ بیل ہے۔یہ آدمی ہے۔یہ گھوڑا ہے۔پھر حضرت خواجہؒ نے توڑ مروڑ کر ایک کر دیا۔جب ایک کر دیا۔تو پھر پوچھا۔یہ کیا ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا۔یہ شکر ہے۔حضرت خواجہؒ نے اُسے کہا۔مَیں نے توحید کو تجھ سے پورے طور پر بیان کر دیا ہے۔

بندہ اور حق کے مابین فاصلہ : عارفین میں سے کسی سے پوچھا گیا۔کہ! بندے اور حق کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔تو اُس بزرگ نے فرمایا۔صِرف چار قدم کا۔(کیونکہ) جو بندہ پہلا قدم دنیا سے اُٹھاتا ہے۔دوسرا قدم مخلوق سے تیسرا قدم اپنے نفس سے اور چوتھا قدم آخرت سے۔تو وہ حق سے واصل ہو جاتا ہے۔

☆ (اسی طرح سے) اہلِ معارف میں سے کسی سے کہا گیا۔کہ! **اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل ہوسکتی ہے**؟ جواب دیا گیا۔کہ! وہ ذاتِ اقدس اشیاء کی مدد سے نہیں بلکہ اشیاء اُس ذات کی مدد سے پہچانی جاتی ہیں۔جیسا کہ! حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔کہ! **مَیں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ھی کی مدد سے پہچانا ھے**۔اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے نور کی مدد سے جانا ہے۔اسی طرح سے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔کہ! **لا یعرف اللہ الا اللہ تعالیٰ**۔(یعنی کہ) اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں پہچانتا مگر خود اللہ تعالیٰ۔

☆ حضرت سلطان باہوؒ اپنی کتاب ''توحید الٰہی کلاں'' میں فرماتے ہیں۔کہ! تصدیق قلب میں ہے۔قلب روح میں ہے۔روح سر میں ہے۔سر خفی میں ہے۔اور خفی یخفیٰ میں ہے۔اور آپؒ اپنی کتاب ''عین الفقر'' میں فرماتے ہیں۔کہ! نفس قلب بن جاتا ہے۔قلب روح کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔روح سرّ بن جاتی ہے۔اور سرّ خفی بن جاتا ہے۔خفی اَنا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اور اَنا مخفی میں ڈھل جاتی ہے۔اِسے ''**توحیدِ مطلق**'' کہتے ہیں۔(یادرہے۔کہ!) بندہ نفسِ امارہ سے جان چھڑا کر نفسِ لوامہ اور پھر نفسِ ملہمہ سے ہوتا ہوا بالآخر نفسِ مطمئنہ تک جا پہنچتا ہے۔اور درجاتِ ولایت و مراتبِ عالیہ کو عبور کر لیتا ہے۔

حصولِ معرفت کے ضمن میں ایک واقعہ : (بمطابق کتاب ''لطائفِ اشرفی۔حضرت قدوۃ الکبریٰؒ)

حضرت شیخ محمد بن یوسفؒ عشاء کی نماز کے بعد پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تھے۔اور صبح تک وہاں رہتے۔اور بار بار (عاجزی وانکساری اور گریہ و زاری سے) یہی دعا کرتے رہتے تھے۔کہ یاالٰہی! مجھے تو اپنی معرفت وشناسائی عطا فرما۔یا پھر اس پہاڑ کو حکم دے۔کہ! یہ پہاڑ میرے سر پر ٹوٹ پڑے۔کیونکہ مَیں تیری آشنائی اور شناسائی کے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔(کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ محمد بن یوسفؒ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے) اور مکہ معظّمہ میں بھی یہی دعا کرتے رہے۔کہ! یارب! مجھے اپنی معرفت عطا فرما۔ورنہ میری جان لے لے۔تیری معرفت کے بغیر مجھے اس جان کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ایک شب انہوں نے خواب میں دیکھا۔کہ کوئی اُن سے کہہ رہا ہے۔اگر تم (اللہ تعالیٰ کی معرفت) چاہتے ہو۔تو ایک ماہ کے روزے رکھو۔اور اس عرصہ میں کسی سے بات (بات کا مطلب یہاں کسی سے کوئی تقاضا،حاجت یا سوال ہے) مَت کرنا۔روزے ختم کرنے کے بعد تم چاہ زم زم پر جانا۔اور پھر وہاں اپنی حاجت (حصولِ معرفتِ الٰہیہ کی دعا) طلب کرنا۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔جب ایک ماہ گزر گیا۔تو حضرت شیخ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔اور اپنے مقصد کی دعا کی۔چاہ زمزم سے ہاتفِ غیبی نے انہیں پکار کر کہا۔کہ! اے ابنِ یوسفؒ! تمھیں اختیار دیا جاتا ہے۔کہ تم ان دو باتوں میں سے جو تمھیں پسند ہو۔اختیار کر لو۔علم دولت اور دنیا کے ساتھ۔یا معرفت (الٰہی) قلت وفقر کے ساتھ۔حضرت شیخ محمد بن یوسفؒ نے بخوشی جوابًا فرمایا۔کہ مَیں معرفت قلت وفقر کے ساتھ اختیار کرتا ہوں۔پس چاہ زمزم سے آواز آئی۔کہ! تمھیں عطا کیا۔تمھیں عطا کیا۔ربِ متعال سے حقیقی محبت رکھنے والے اشخاص کی ایسی ہی حکایات ہوا کرتی ہیں۔

اخلاق اور عبادت میں افضل کیا ھے (بمطابق حدیث نبوی ﷺ) :

☆ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔کہ! ایک دن مسجدِ نبوی ﷺ میں کسی شخص نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ! فلاں عورت کا زیادہ نماز،روزے اور کثرتِ صدقہ وخیرات کی وجہ سے بڑا چرچا ہے۔یعنی لوگ کہتے ہیں۔کہ وہ عورت بہت زیادہ عبادت کرتی ہے۔اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرتی رہتی ہے۔لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔یعنی وہ عورت چونکہ اپنی زبان اور گالم گلوچ کے ذریعے سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔اس لئے وہ دوزخ میں ڈالی جائے گی۔اور باوجودیکہ نماز،روزہ اور صدقہ وخیرات افضل ترین عبادات میں سے ہیں۔لیکن اس کی عبادتیں بھی اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوں گی۔اس شخص نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ! فلاں (یعنی ایک دوسری) عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے۔کہ وہ بہت کم روزے رکھتی ہے۔بہت کم صدقہ دیتی ہے۔اور بہت کم نماز پڑھتی ہے۔اور حقیقت میں اس کا صدقہ وخیرات قروط (سوکھی دہی۔پنیر) کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا۔لیکن وہ اپنی زبان کی وجہ سے اپنے ہمسائیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔(تو) آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ وہ عورت جنت میں جائے گی۔(احمد۔بیہقی)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔کہ! ایک مرتبہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ہم میں سے کچھ لوگ تو روزہ دار تھے۔اور کچھ لوگ بغیر روزہ کے تھے۔ جب ہم ایک منزل پر اُترے۔تو گرمی کا دن تھا۔ جو لوگ روزہ سے تھے۔ وہ گر پڑے۔اور جو لوگ روزہ سے نہیں تھے۔ وہ مستعد رہے۔ چنانچہ اُنہوں نے خیمے کھڑے کئے۔اور اُونٹوں کو پانی پلایا۔آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔کہ روزہ رکھنے والوں نے آج ثواب کا میدان جیت لیا۔ (صحیحین) (مختصراً یہ کہ! **عبادت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔مگر خدمتِ خلق سے خدا ملتا ہے**)

مزید برآں یہ کہ! قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں آنحضرت رسالت مآب ﷺ کے بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! وہی (اللہ) جس نے امیوں میں ایک رسول ﷺ اِنہی میں سے مبعوث فرمایا۔ جو انہیں اِس (قرآن) کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔اور اِن کا تزکیہ (نفس) کرتا ہے۔اور اِنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم فرماتا ہے۔اگرچہ وہ اِس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔(قرآن 62-2)

☆ یادرہے کہ! تصوف کی ابتداء بعثتِ نبوی ﷺ کے ساتھ ہی ہوگئی تھی۔جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ! ہادیء برحق ﷺ کی بعثت۔ **(انک لعلی خلق عظیم o)** بعثتِ نبوت اور اِظہارِ نبوت کے کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل نازل فرمائی تو اِس کی پہلی 11۔آیات میں تزکیہ ءنفس کے لئے ہدایات دی گئی ہیں۔جنہیں **(سورہ مزمل** کی اِنہیں گیارہ آیات آیات کو) اگر تصوف کا مآخذ، نچوڑ اور خلاصہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔سورہ مزمل کی اِنہیں گیارہ آیات میں سے کچھ کا یہاں پر ترجمہ دیا جارہا ہے۔

☆ اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کو (اللہ تعالیٰ کی عظیم المرتبت بارگاہ میں) کھڑے رہا کریں مگر کم۔ آدھی رات یا اِس سے کچھ کم کرلو یا اِس سے کچھ (زیادہ) بڑھالو۔ (یعنی شب بیداری اختیار کریں)

☆ اور قرآنِ پاک کو خوب ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیا کریں۔بے شک! ہم آپ ﷺ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ (ترتیل یعنی کہ! اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور وفکر، فہم وفراست اور ادراک کا حصول ہے۔اور کلام پاک کا اثر قلب پر وارد ہو)

☆ درحقیقت رات کا اُٹھنا، نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر ہے۔اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔(نوافل بالخصوص **تہجد** پڑھ کر نفسِ امارہ کو مغلوب کرنا، کیونکہ جو شخص رات کو اپنی نیند خراب کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے اُٹھ کر تازہ وضو کر کے نہایت عاجزی وانکساری اور خشوع و خضوع سے نوافل پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں محو ہوجاتا ہے۔وہ لازمًا اللہ تعالیٰ کا حقیقی قرب حاصل کرلیتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے کہ! پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کی عبادات اور مشکل اوقات میں حاجت برآری میں میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے) ☆ بے شک دن کے اوقات میں تو آپ ﷺ کے لئے بہت سی مصروفیات ہیں۔(یعنی کہ دن کے اوقات میں دنیاوی معاملات کو سرانجام دیا جائے۔رزق وروزی کی طرف توجہ ہو، اہل بیت کی کفالت، حقوق العباد کی طرف دھیان ہو وغیرہ۔) ☆ اور اپنے رب کے نام کا (خوب) ذِکر کیا کرو۔(یعنی کہ!) **الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ ط الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ۔(سورہ رعد آیت 28) جو ایمان لائے اور ان کے دِل اللہ جل شانہ کے ذِکر سے مطمئن ہوگئے۔سنو! اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے ہی دل کا اطمینان (چین، سکون، آرام، قرار) ہوسکتا ہے۔ بہرحال! ہمیں ذات، مقام، مرتبہ یا قوم کے طور پر نہیں بلکہ مسلمان ہونے کے ناطے توحید کی حقیقت کو دیکھتے ہوئے یکجا ہوجانا چاہیئے۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو ۔۔۔ تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

شعرِ بالا کے ضمن میں حکایت : تذکرہ ءغوثیہ میں ہے۔کہ! جس وقت حضور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ، حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔تو حضور غوثِ پاکؒ کو خیال آیا۔کہ! مَیں یوں تو بایزیدؒ کے برابر ہوں۔مگر دو باتیں (خصائل) مجھ میں اُن سے زیادہ ہیں۔ایک تو یہ کہ مَیں سید ہوں۔دوسرا یہ کہ مَیں ''محبوب'' ہوں۔جب مزار کی جانب متوجہ ہوئے۔تو (عالمِ خیال میں) یہ شعر لکھا ہوا پایا۔

ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را ۔۔۔ اوست سید جملہ موجودات را

حضرت پیرانِ پیرؒ یہ شعر پڑھ کر خائف ہوئے۔اسی وقت روحِ بایزید بسطامیؒ ظاہر ہوئی۔اور فرمایا۔اے صاحبزادہ! یہ میرا قصور نہیں۔ بلکہ یہ تعلیم آپؒ کو ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب سے ہوئی ہے۔اور فی الحقیقت مجھ سے تو آپؒ ہر مرتبہ میں بہتر وبرتر ہی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حدیث نبی ﷺ میں مؤمن کے لئے بہت بڑی خوشخبری : حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ہر (بندہء) مؤمن کا مَیں دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔اگر تم چاہو۔تو یہ آیت پڑھ لو۔**النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم** ۔ انبیاءؑ مومنوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔(سورہ احزاب۔آیت 06) لہذا جو بھی مؤمن انتقال کرجائے۔اور مال چھوڑ جائے۔تو چاہیئے۔کہ! ورثاء اس کے مالک ہوں۔ اور جو شخص قرض چھوڑ جائے۔یا اولاد چھوڑ جائے۔تو وہ میرے پاس آجائیں۔کہ ان کا مَیں ولی ہوں۔ (صحیح بخاری۔2399)

فقر کیا ھے ؟ (بقول حضرت سلطان باہوؒ!) فقر یہ ہے۔کہ تُو طمع نہ کرے۔اگر کوئی تجھے کچھ دے۔تو منع نہ کرے۔اور اگر تجھے کچھ ملے تو جمع نہ کرے۔

(بقول البلوشی !) جمع، طمع اور طمع۔یعنی دنیا فانی ہے۔کچھ بھی جمع نہیں کرنا۔رب کی عطا جس پر جیسی بھی ہو۔دوسرے کی چیز کا طمع نہیں رکھنا۔اور پہلے خود کو سدھارلو۔پھر اپنے اخلاق اور عادات سے لوگوں کو سدھارو۔ بجائے اس کے، کہ! کسی کو غلط کہو۔اور منع کرو۔

اقوالِ شطحیات یا سکریہ الفاظ :

اسی طرح سے یہ کیفیت وطبیعت اور حال کسی تحریر وتقریر میں بھی نہیں سما سکتا۔ (یاد رہے۔ کہ!) اولیاءاللہ سے کچھ ایسے الفاظ (جو کہ اِسی مضمون میں آگے آرہے ہیں) کا صدور بھی ہوا ہے۔ کہ! جنھیں سکریہ اقوال یا شطحیات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ظاہری طور پر ایسے الفاظ یا جملے اگر بولے جائیں۔ تو یہ صریح کفر وشرک پر مبنی ہوں گے۔ مگر یاد رہے۔ کہ اولیاء اللہ کا ایسے الفاظ یا جملے کہنے پر کفر والحاد یا شرک وکبیرہ گناہوں کے فتوے داغنے سے پہلے ہمیں دو احادیث کو (کہ! **جب بندہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ تو میں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔۔۔ پاؤں بن جاتا ہوں۔۔۔** (حدیثِ قدسی) **مومن کی فراست سے ڈرو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔۔۔**) کو ملحوظ ذہن رکھنا ہوگا۔ آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ **من رانی فقد رای الحق** ۔ یعنی جس نے مجھے دیکھا۔ اس نے حق دیکھا۔ چند اقوال سکریہ وشطحیات جیسے کہ! سی طرح سے حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا تھا۔ کہ! **سبحانی ما اعظم** (یعنی میں سبحان ہوں۔ میری کیسی بڑی شان ہے) اسی طرح سے حضرت منصور حلاج نے فرمایا تھا۔ کہ! **انا الحق** (یعنی مَیں (ہی صرف اور صرف) حق ہوں۔ اسی طرح سے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا تھا۔ کہ! **لیس فی جبتی سوی اللہ** (یعنی میرے جبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں) اسی طرح سے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا تھا۔ کہ! **انا اقل من ربی بسنتین** (یعنی میں اپنے رب تعالیٰ سے (فقط) دو سال چھوٹا ہوں) اسی طرح سے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ! **لا فرق بینی و بین ربی. الا افی تقدمت با لعبو دیۃ** (یعنی مجھ میں اور میرے پروردگار میں کچھ فرق نہیں۔ اگر ہے تو صرف یہی کہ! مَیں نے عبادت وبندگی میں سبقت پیش قدمی کی) اسی طرح سے حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا۔ کہ! **انا اقول وانا اسمع و ھل فی الدارین غیری** (یعنی مَیں ہی کہتا ہوں۔ اور مَیں ہی سنتا ہوں۔ اور میرے سوا دونوں جہانوں میں کون ہے) اِسی طرح کے دیگر بھی کئی سکریہ اقوال وشطحیات کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر ہم انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ! اَب ہمارے پاس کونسا ایسا پیمانہ (**Measuring Parameter**) موجود ہو۔ کہ! جس سے ہمیں یہ معلوم ہو سکے۔ کہ! فلاں بزرگ کا یہ قول بحالتِ سکر صادر ہو یا بحالتِ جذب۔ یا پھر یہ اُس کے ذہن کی اختراع ہے۔ تو ایسے موقع پر ہمارے پاس سب سے اہم چیز شریعت وطریقت کی مکمل پاسداری، ولایت میں اُس کا کمال اور بزرگی میں اُس کا بے مثال ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ! سب سے زیادہ مشہور ومعروف شطحیہ قول یعنی سکریہ قول حضرت منصور ابنِ حلاج کا ہے۔ کہ جنہوں نے نعرہء '' **انا الحق** '' عوام وخواص کے سامنے برملا کہا۔ تاریخ تصوف کو اگر ہم بغور دیکھیں۔ تو ہمیں پتا چلے گا۔ کہ حضرت موصوفؒ ولیءکامل، متقی، نہایت عبادت گزار، خاموش طبع اور حلم وصبر وعلم وشکر کا عظیم شاہکار تھے۔ بلکہ کرامتوں کی بھرپور فیکٹری تھے۔ اُن سے بے شمار کرامات اور خوارق العادات عجائبات کا ظہور ہوتا تھا۔ (بہرحال ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں)

چند احادیثِ نبویہ ﷺ : (رموز واسرار مخفی ہی سے بھرپور لبریز اقوال زریں)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ! مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علموں کے برتن (خزانے) حاصل کئے۔ اِن میں سے ایک کو تو مَیں نے تم پر ظاہر کر دیا۔ لیکن دوسرے کو ظاہر کروں۔ تو میرا گلا کٹتا ہے۔ ☆ حضرت ابنِ عباسؓ سورہ طلاق کی اس آیت (**اللہ الذی خلق سبع سموت و من الارض مثلھن . یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر . وان اللہ قد احاط بکل شیء علما** ۔ (سورہ طلاق۔ آیت نمبر 65) اللہ ہے (وہ کہ جس نے) سات آسمان بنائے۔ اور انہی کے برابر زمینیں۔ حکم ان کے درمیان اُترتا ہے۔ تاکہ تم جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز کو محیط ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ! اگر مَیں اس آیت کی پوری تفسیر (بیان) کروں۔ تو تم لوگ مجھے کافر کہو گے۔ اور (چہ جائیکہ تم لوگ مجھے) سنگسار کرو۔ ☆ فرمانِ رسول اللہ ﷺ! **تکلموا الناس علی قدر عقو لھم** ۔ لوگوں کے ساتھ اُن کے عقول (فہم وادراک) کے قدر کلام کرو۔ ☆ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں ڈالا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں کوئی علم۔ مگر ڈالا مَیں نے ابوبکرؓ کے سینے میں۔ ☆ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ تم پر روزہ اور نماز کی کثرت سے افضل نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک راز اور علم کی وجہ سے، جو اس کے سینے میں ڈالا گیا۔ (بیہقی) ☆ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ (کہ) حضرت معاذؓ ہمیں کہتے ہیں۔ آؤ۔ ایک گھڑی ٹھہرو۔ ایمان لائیں۔ کیا ہم ایمان والے نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ معاذؓ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ☆ حضرت زیدؓ کو جب کشفِ کونی کا علم ہوا۔ تو ایک روز جوش میں آکر آنحضرت نبی مکرم ﷺ سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ! اگر (آپ ﷺ کا) حکم ہو۔ تو بہشتیوں اور دوزخیوں کو جدا جدا اور حشر نشر کا حال بالتفصیل بیان کروں؟ (تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔ بس تیرا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے۔ اسے ذرا ٹھنڈا کر۔ (یاد رہے۔ کہ!) اس واقعے کو حضرت مولائے رومؒ نے بھی تفصیلاً اپنی مثنوی میں بیان فرمایا ہے۔

گفت پیغمبرؐ صباحے زید را **کیف اصبحت** اے رفیقِ باصفا

☆ حضرت حذیفہ بن یمانؓ (کہ جن کو صاحبِ السر رسول اللہ ﷺ کا خطاب دیا گیا) فرماتے ہیں۔ اگر مَیں تم سے وہ احادیث بیان کروں۔ جو مَیں جانتا ہوں۔ تو البتہ تم تین متفرق گروہ بن جاؤ۔ ایک گروہ تو میرے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور ایک مجھ کو جھٹلائے گا۔ (یاد رہے۔ کہ!) حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب حضرت حذیفہؓ نے مسجدِ نبوی ﷺ میں طالبین ومشتاقین کو بڑے زور وشور سے باطنی رموز واسرار کی تعلیم وتلقین دینی شروع کر دی۔ کہ نوبت یہاں تک جا پہنچی۔ کہ! عشاق امورِ دنیاوی سے دست کش ہو کر صحرا نشینی اختیار کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس امر کی شکایت جب حضرت عمر فاروقؓ کو

پہنچی۔تو آپ ؓ نے حضرت حذیفہ ؓ کو بلا کر فرمایا۔'' کیا تم لوگوں کو خراب کرتے ہو ؟ یہاں (یعنی مدینہ منورہ) سے چلے جاؤ''۔ بالآخر با مجبوری، آپ ؓ نے مدینہ شریف کو خیر آباد کہہ کر مدائن میں جا کر قیام فرمایا۔ جہاں کے گورنر حضرت سلمان فارسی ؓ تھے۔اوراَب وہیں پر آپ ؓ کا مزارِ پرانوار زیارت گاہ عام وخاص ہے بلکہ مرجع خلائق ہے۔ ☆ بھلا وہ کونسی بات تھی۔کہ! حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو تعلیم فرمائی تھی۔اور پھر فرمایا۔اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرنا۔حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے بہت ضبط کیا۔آخر جب ضبط کو یارا نہ رہا۔تو مدینہ منورہ سے باہر جنگل میں تشریف لے گئے۔اور جنگل میں ایک کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر اس راز کو بیان کر دیا۔جس کی وجہ سے اس کنوئیں کا پانی خون ہوگیا۔وہ کنواں آج بھی مدینہ منورہ میں ''بیرِ علی ؓ بن ابی طالب '' کے نام سے مشہور ہے۔ ☆ اسی طرح حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت اویس قرنی ؓ سے ملاقات کے وقت اپنی خلافت کو محض ایک دینار کے عوض حضرت اویس قرنی ؓ کو فروخت کرنے پر کیوں مصر ہوگئے ؟ (اس مکمل قصے کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ فریدالدین عطار ؒ نے اپنی ایک نظم میں بیان فرمایا ہے۔

چوں عمرؓ پیش اویسؓ آمد بہ جوش ۔۔۔ گفت افگندم خلافت راز وش

لہٰذا علمِ لدنی اور علم باطنی ایک سر ہے، رمز ہے، راز ہے ۔۔۔۔جس کے نگران حضرت خضرؑ ، حضرت الیاسؑ اور اولیاء اللہ ہیں ۔ وہ خوش نصیب اولیاء اللہ جو آنحضرت ﷺ کی حضوری میں ہیں ۔ اُن کو بذریعہ حضرت علیؓ ان علوم میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے ۔ بلکہ ہمیشہ مِلتا رہتا ہے ۔ غرضیکہ ! ہم ہیں ۔تو خدا نہیں اور اگر خدا بالذات موجود ہے۔تو ہم ندارد ہیں ۔ (یہ اسرار و رموز خدا ہی سمجھائے ۔ ورنہ حال وہی ہوگا ۔ جو کہ منصور ابنِ حلاج کا ہوا تھا) پس اس امر کا فہم اسی وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے ۔کہ! جب نہ فہم رہے ۔ نہ صاحبِ فہم اور نہ مفہوم ۔ یا پھر اِن تین مراتب میں سے کسی مقام و مرتبہ کا مکمل وقوف و ادراک رکھتا ہو ۔علم الیقین ۔ عین الیقین ۔ اور حق الیقین ۔ (لہٰذا) اگر کسی کی سمجھ میں یہ باتیں آئیں ۔تو فبہا ۔ ورنہ یہ تمام باتیں زندقہ والحاد اور کفر کی سی لگتی ہیں ۔

اعوذ باللہ. استغفراللہ. لاحول و لا قوۃ الا باللہ .یا ھادی اھدنا الصراط المستقیم. صراط الذین انعمت علیھم۔

یہ کمترین **عبدالرؤف البلوشی** عرض گزار ہے ۔ہم لوگ توحید کے معنی ، مفاہیم اور تفصیل کو جس قدر سہل سمجھتے ہیں ۔ با خدا حقیقتِ توحید کے اسباق کی شناسائی اور وقوف وادراک کو حاصل کرنا اُتنا ہی مشکل اور بعید اَز قیاس ہے ۔ **(کیونکہ)** علمائے کرام اور ہم بے چارے عوام الناس نے تو صرف اللہ تعالیٰ کی وحدت کو ہی توحید سمجھ لیا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جاننے کا مطلب فقط اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا ہے۔اور وحدانیت ربانی کو پہچاننے کا مطلب دل کی آنکھ اور باطنی بصیرت سے توحید کو محسوس کرنے کا نام ہے۔یاد رہے ۔کہ! اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی یکتائی کو بصارت وادراک کے ساتھ سمجھنا آسان کام نہیں ہے ۔ یہ تو اُن لوگوں (اولیائے عظام اور مقربینِ خدا) کا خاصہ ہے ۔کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام فرمایا ہے۔ **یاد رہے ۔کہ!** اولیائے عظام اور علمائے کرام کے فہم وفراست ، شناسائی حقیقتِ حق اور وقوف وادراک میں زمین وآسمان کے جیسا امتیاز پایا جاتا ہے۔کیونکہ! ایک عالم کو قال سے جبکہ ایک ولی کو حال کی بصیرت حاصل ہوا کرتی ہے ۔ لہٰذا علمائے کرام صرف قیل وقال پر ہی اکتفا کئے ہوئے ہیں ۔۔ بقول حضرت بابا بلھے شاہ ؒ !

بلھیا عاشق ہویوں رب دا ملامت ہوئی لاکھ ۔۔۔ تینوں کافر کافر آکھدے توں آہو آہو آکھ

بلھے شاہ چل اوتھے وسیے جتھے سارے ہون انّھے ۔۔۔ نہ کوئی ساڈی قدر پچھانے نہ کوئی سانوں منّے

☆ **ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیمۃ اعمیٰ o** (سورہ طٰہٰ آیت 124) جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا۔اس کی روزی تنگ ہوجائے گی اور اس کو (ہم) قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے ۔

پانچ مراتبِ عشق : پہلے مرتبہ شریعت ہے۔یعنی محبوب کے جمال کا شوق پیدا ہونے کے لئے خبر کا سننا۔ **دوسرا مرتبہ طریقت** کا ہے ۔ یعنی محبوب کا طالب ہوجانا یا پھر معشوق کی پے میں لگ جانا یا طلب کا راستہ طے کرنا ۔ **تیسرا مرتبہ معرفت** کا ہے ۔یعنی محبوب کے حسن و جمال اور اس کی حضوری میں دائماً رہنا ۔ **چوتھا مرتبہ حقیقت** کا ہے ۔یعنی اپنی مراد (مقصد، آرزو، خواہش یا مطلب) کو محبوب کی مراد میں محو ومستغرق اور گم کردینا یا اُس کی مراد میں ملیا میٹ ہوجانا ۔ **پانچواں اور آخری مرتبہ** '' **وحدتِ حق** '' کا ہے ۔یعنی اس میں فنا ہونے والے وجود کے ظاہر و باطن کو توڑ کر نابود کر دینا۔محبوب ہی کو ظاہر و باطن میں موجود مطلق رکھنا۔عشق کے یہی پانچ مراتب و مقامات ہیں ۔ (یاد رہے ۔کہ) اللہ تعالیٰ سے عشق خود سے عشق ہے ۔ اور خود سے عشق اللہ تعالیٰ سے عشق ہے ۔جیسا کہ فرمانِ حضرت علی المرتضیٰ ؓ ہے ۔کہ! **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔** (ترجمہ) جس نے خود کو پہچان لیا۔اُس نے (واقعتاً) رب کو پہچان لیا۔نبی کرم ﷺ نے فرمایا۔ **ان اللہ خلق اٰدم علیٰ صورتہ** ۔یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی (ہی) صورت پر پیدا کیا۔پھر فرمایا۔ **یا علیٰ ! صورت رحمان** ۔ بلکہ رحمان کی صورت پر۔لہٰذا سالک وطالبِ صادق پر بھی لازم ہے۔کہ! تم ہی عین بقا، عین عشق ، مطلق اور مقید ہو۔تم ہی تو ہو۔تمہارے سوا اور کوئی نہیں ۔ (بدقسمتی سے) تم نے خود ہی خودی کو چھوڑ رکھا ہے ۔کسی طرح کی کوئی دوئی یا جدائی نہیں ۔ سمجھنے کی بات تو یہ ہے ۔کہ! تم اسی سے ہو۔ (بقول شاعر)

وجود ندارد کسے جز خدا ۔۔۔ ہماں بودہ باشد ہمیشہ بجا

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی وجود نہیں رکھتا ۔ وہی تھا ۔ وہی ہے ۔ اور وہی ہمیشہ رہے گا)

توحید شناسی کے بعد اگلی منزل ومقام عشقِ الٰہی ہے :

بمطابق قرآن حکیم! **والذین اٰمنوا اشد حبا لله**۔ اورایمان والے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت (عشق) کرتے ہیں۔(سورہ البقرہ)

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّ بُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ۔ آمین۔

خضرؑ بھی بے دست و پا ، الیاس بھی بے دست و پا　　میرے طوفاں یم بہ یم ، دریا بھی دریا ، جُو بہ جُو

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہء بندہ نواز گیسو دراز ؒ فرماتے ہیں۔کہ! اے عزیز اچھی طرح سمجھ جاؤ۔کہ دنیا میں جو بھی کچھ ہے۔وہ صرف یہ تین چیزیں ہیں۔ عاشق ،عشق اور معشوق ۔ اِن تین کے سوا سب کچھ ہیچ ، بیکار اور فضول ہے۔کسی بھی کام کے نہیں۔ یہی ظاہر وظہور اور باطن وبطون ہیں۔ظاہر سے خلق (یعنی تمام مخلوقات) اور باطن سے خالق (ذاتِ وحدہ لاشریک) مراد ہے۔ویسے تو ظاہر و باطن ذات کے دو مرتبے ہیں۔لیکن وہ حقیقت میں ایک ہی مرتبہ ہے۔جس کے بہت سارے مراتب ہیں۔سمجھنے کی بات اس قدر ہے۔کہ ''احد'' میں ''الف'' ہے۔ وہ عشق ہے۔حاء عاشق ہے جبکہ دال معشوق کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔درحقیقت یہ تینوں ایک ہی ہیں۔ یہ بلاتمثیل ایسے ہی ہیں۔کہ! جیسے دریا، دریا کی موج اور دریا کا جھاگ۔دراصل یہ تینوں (دریا، دریا کی موج اور دریا کا جھاگ) دریا ہی کی اعتبار ہیں۔جب کسی خوش نصیب شخص پر حقیقت کا باب کھل جاتا ہے۔تب اس کی زندگی سے پانچ ''کاف'' (یعنی کیا کیوں کیسے کہاں کس) کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا ہے۔اور اس میں ''مَیں'' اور ''تُو'' باقی نہیں رہتے۔وہ یہ بات جان لیتا ہے۔کہ! یہ ''مَیں'' اور ''تُو'' تو درحقیقت ایک ہی دَم ہیں۔

من تو شدم ، تو من شدی ، من تن شدم ، تو جاں شدی　　تاکس نگوید بعد ازیں ،من دیگرم ، تو دیگری

چنانچہ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔کہ! **وما امر ذا الا واحدۃ** ۔(اورہم نے امر نہ دیا۔مگرایک۔یعنی ہم نے ایک ہی حکم دیا)اس کا مطلب ہے۔کہ! ہماری صفت ایک ہی ہے۔یعنی ''ذات''۔جوصفت میں آسکتی ہے۔صفت لے سکتی ہےاور صفت ہوبھی سکتی ہے۔وہ صرف ایک ہے۔ایک سے بالکل بھی زیادہ نہیں۔عشق حقیقی یعنی عشقِ الٰہی کے ضمن میں آنحضور نبی مکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے۔کہ! **العشق نارا اذا یقع یحرق ماسوی المحبوب** ۔(عشق ایک آگ ہے۔جب وہ (کسی عاشق) پر ڈالی جاتی ہے۔تو محبوب کے ماسوا سب کوجلا ڈالتی ہے)یعنی عشق کی کیفیت وحالت سوائے محبوب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ہر چیز کونیست ونابود کردیتی ہے۔صرف عشق رہ جاتا ہے۔اسی لئے تو کہا جاتا ہے۔**من تو شدی تم من شدم**۔۔۔(یعنی کہ) **فاذکرونی اذکرکم**۔(یعنی کہ! (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب ہے۔کہ)اگرتم میرا ذکرکروگے۔تو میں تمھارا چرچا کروں گا)۔۔بقولِ شاعر!

درِ عشق تُو کارِ خویش ہر روز　　اَز سر گیرم زہے سروکار

ترجمہ : تیرے عشق میں ہرروز میں اپنا کام نئے سرے سے شروع کرتا ہوں۔کیا ہی خوب کاروبار ہے۔(اس عشق کا) بقولِ شاعر!

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گرست　　لیکن عشقِ بے زباں رشن ترست

ترجمہ : اگرچہ تیری زبان کی تشریح مطالب کو (تو خوب) رشن کرتی ہے۔لیکن عشق تو زبان کے بغیر بھی خوب روشن ہے۔

عشقِ الٰھی کے ضمن میں چنداحادیثِ نبویہ ﷺ پیش خدمت ہیں۔ ☆ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔اورعرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ! مَیں آپ ﷺ سے محبت رکھتاہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ فقرومحتاجی کی مصیبتیں اُٹھانے کے لئے تیار ہوجا۔اورفقر کی چادراوڑھ لے۔ ☆ ایک اورشخص حاضرخدمت ہوا۔اورعرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ ! مَیں اللہ تعالیٰ کومحبوب رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ توبلاومصیبت کے لئے چادر بنالے۔ ☆ آپ ﷺ نے فرمایا۔جوشخص میری محبت کا دعوی کرتا ہے۔فقراس کی طرف پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ تیزی (محبت کے دعوے دار کی جانب) بڑھتا ہے۔ ☆ احادیث میں آیا ہے۔کہ! جب حضرت رسولِ مکرم ﷺ کوحضرت خدیجۃ الکبرٰیؓ سے ازحد محبت ہوئی۔تو اُنؓ کا انتقال ہوگیا۔اسی طرح ایک مرتبہ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے حضرات حسنینؓ کونہایت فرطِ محبت سے دیکھا۔تواسی وقت حضرت جبرائیلؑ نے تشریف لاکرحضرت حسنؓ کوزہر سے مارے جانے اورحضرت حسینؓ کوبے دردی سے قتل (شہید) کئے جانے کی خبرسنائی۔اس طرح کےاور بھی کثیرواقعات ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ میں سے ایک نبیؑ کی طرف وحی کی۔کہ! مَیں نے لوح محفوظ میں تحریرلکھی ہے۔کہ میں جب بھی کسی بندے سے محبت کرتا ہوں۔تو اسے آزمائش میں مبتلا کردیتا ہوں۔اوراسے فقیری کا لباس پہنادیتا ہوں۔ ☆ ایک مرتبہ مشہورشاعرحضرت امیر خسروؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ سے دریافت کیا۔محبت میں مصیبت کیوں آتی ہے ؟ توپیرومرشد نے جواباً فرمایا۔تاکہ ہرکم ظرف اس کا (یعنی محبت کا) دعوی نہ کرسکے۔ ☆ اسی ضمن میں ایک عارفِ کامل نے کیا خوب فرمایا ہے۔کہ! محبت میں جملہ مصائب (یعنی آزمائشیں ہی) ہیں۔(لہذا) اگرتم دعوی ء محبت نہ (ہی) کرو۔توبچے رہوگے۔(کیونکہ) اگرایسا نہ ہو۔توہرایک شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دَم بھرنے لگے۔ ☆ ایک ولی اللہؒ نے فرمایا۔سب طرح کی بلا (مصائب ومشکلات) محبت کے ساتھ مسلط کردی گئیں ہیں۔تاکہ کوئی بھی جھوٹا،منافق اور ریاکار دعوی ءمحبت نہ کرسکے۔بقولِ علامہ اقبالؒ!

ڈھا کے عرش پہ رکھا ہے تُو نے اے واعظ　　خُدا ہی کیا ہے ، جو بندوں سے احتراز کرے

اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت :

ایک شخص حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ ﷺ مجھے ایسا عمل بتلائیے۔ جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ دنیا سے منہ موڑ لو۔ تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اور جو لوگوں کے قبضے میں (یعنی لوگوں کے پاس مال) ہے۔ اس سے منہ موڑ لو۔ تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

کوئی فلسفہ نہیں عشق کا، جہاں دل جھکے وہاں سر جھکا　　　　وہیں ہاتھ جوڑ کے بیٹھ جا، نہ سوال کر، نہ جواب دے

حضرت عیسیٰؑ ایک جوان کے قریب سے گزرے۔ جو باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے آپؑ سے عرض کی۔ کہ آپؑ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے عشق کا ایک ذرہ عطا فرما دے۔ آپؑ نے فرمایا۔ ایک ذرہ (تو) بہت بڑی چیز ہے۔ تم اس کے تحمل کی استطاعت نہیں رکھتے۔ وہ جوان کہنے لگا۔ اچھا! آدھے ذرے کا سوال کیجیئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے رب تعالیٰ سے سوال کیا۔ اے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عشق کا آدھا ذرہ عطا فرما دیں۔ اس جوان کے حق میں یہ دعا کر کے آپؑ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

کوئی عبادت کی چاہ میں رویا　　　　کوئی عبادت کی راہ میں رویا

کافی مدت کے بعد آپؑ پھر اسی راستے سے گزرے۔ اور اسی جوان کے متعلق سوال کیا۔ تو لوگوں نے کہا۔ وہ تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور کہیں پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے رب تعالیٰ سے دعا کی۔ میری اُس جوان سے ملاقات کرا دے۔ پس آپؑ نے دیکھا۔ وہ جوان ایک چٹان پر کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آپؑ نے اسے سلام کہا۔ مگر وہ خاموش رہا۔ آپؑ نے فرمایا۔ مجھے نہیں جانتے؟ میں عیسیٰؑ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی فرمائی۔ کہ! اے عیسیٰؑ! جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ بھی موجود ہو۔ وہ انسانوں کی بات کیسے سنے گا؟ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے۔ تو اسے محسوس نہ ہو گا۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے جفا ہی نہیں　　　　ستم نہ ہو تو، محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

حکایت : حضرت موسیٰؑ کا ایک عزیز دوست تھا۔ وہ ایک دن آپؑ سے کہنے لگا۔ اے موسیٰؑ میرے لئے دعا کیجئے۔ کہ! اللہ تعالیٰ مجھے اپنی معرفت عطا فرمائے۔ آپؑ نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا قبول فرمائی۔ اور وہ دوست آبادی سے (دُور) کنارہ کش ہو کر پہاڑوں میں وحوش کے ساتھ رہنے لگا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اسے نہ پایا۔ تو رب تعالیٰ سے التجا کی۔ الٰہی! میرا وہ دوست کہاں گیا ہے؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰؑ! جو صحیح معنوں میں مجھے پہچان لیتا ہے۔ وہ مخلوق کی دوستی کبھی پسند نہیں کرتا۔

مٹ جائے گناہوں کا تصور ہی جہاں سے　　　　اگر ہو جائے یقیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے

رازِ عشق و راہِ عشق : راز (یعنی عشق کے رموز واسرار) کی اطلاع وخبر کس کو دی جاتی ہے؟ کیسے دی جاتی ہے؟ وہ کون ہوتا ہے؟ کیسا ہوتا ہے؟ سنو اور یاد رکھو۔ کہ! اس (سرالٰہی اور رمزِ عشق) کی اطلاع وخبر صِرف اُس کو دی جاتی ہے۔ جو دل کے حال ومقام میں پہنچ گیا ہو۔ سراپا دل ہو گیا ہو۔ یعنی اس کے دل کا حظ (مزہ ولذت) وہی ہو گیا ہو۔ یاد رہے۔ کہ! حصولِ عشقِ الٰہی کے لئے رازِ عشق کی تلاش مومن کے لئے لازمی وضروری ہے۔ کیونکہ! یہ تو وہ عظیم المرتبت راز ہے۔ کہ! دیکھنے والا جان نہیں سکتا۔ اور جاننے والا کہہ نہیں سکتا۔ اگر کسی کا مقصد عشقِ الٰہی اور رازِ الٰہی کی ہی تلاش ہے۔ تو اُسے اپنے دل کی پیروی کرنا ہو گی۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء سے ہی کامیاب ہو سکے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ! عشقِ الٰہی تو تمام دنیا اور زمان ومکان سے ماوراء جذبے کا نام ہے۔ کیونکہ عشق کا دریا جب کسی کے دل میں بہنے لگے۔ تو دنیا کے تمام رازوں سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور تمام اسرار ورموز کی گرہ کھول کر رکھ دیتا ہے۔ عشقِ الٰہی دراصل اُن لوگوں کی اس حالت وکیفیت کا نام ہے۔ جو کہ راہِ حقیقت کے اختتام پر پہنچ چکے ہوں۔ بہرحال! عموماً عشق ملتا بھی اِنہی لوگوں کو ہے۔ جو صدقِ قلب اور خلوصِ نیت سے اس کی تلاش میں ہمہ وقت دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے اور مصائب جھیلتے ہوئے سرگرداں پھرتے اور ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ کیونکہ! عشق کی تلاش کی راہ تو نفس کے ساتھ ساتھ قلب وروح کو بھی پاک وصاف اور مزین ومعمور کر دیتی ہے۔ اگر مرشد کامل نہ ہو تو عشق شروع میں گمراہ کر کے جلال کی وادی میں لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ آتش کی طرح جلاتا اور پکاتا ہے۔ تب جا کر سلجھنا شروع ہوتا ہے۔ عشقِ الٰہی کے حصول میں عقل کبھی بھی رہبر نہیں ہو سکتی۔ اس کی تلاش میں حقیقی رہبر قلب ہی ہوتا ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ! اس راہ (یعنی عشقِ الٰہی کی تلاش کے راز کی راہ) پر جو کچھ بھی سالک پائے۔ وہ اسے اپنے قلب کے صفحۂ قرطاس پر لکھتا جائے۔ اس طریقہ سے یا تو سالک عشق کو تلاش کر لے گا یا پھر عشق خود ہی سالک کو تلاش کر لے گا۔ ہر ہر قدم پر قلب کھلتا چلا جائے گا۔ اسی تلاش کے دوران ہر ہر لمحہ رازوں کو کھولتا چلا جائے گا۔ کیونکہ! اس دوران بحالتِ بیداری یا درعالمِ رویاء ہر نظر آنے والے خیالات، خواب، مشاہدات وغیرہا کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو گا۔ جو کہ تلاش میں معاون ثابت ہو گا۔ سالک کی نظر ہر وقت اپنے قلب ہی پر رہنی لازمی ہے۔ صاحبانِ عرفان کا تجربہ ہے۔ کہ! بدن کو روح سے جدا کر کے عشق عطا کیا جاتا ہے۔ اور پھر بدن کے ساتھ روح میں بھی زندگی کا احساس ہو گا۔ یہی خردطاری کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ جب ہر کوئی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ تو تنہائی عاشقوں کے لئے آزمائش ہوتی ہے۔ کیونکہ یکتائی میں ہی یکتا کو تلاش کر کے اس کے عشق کے کمال کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ! ہر شیئے کو ترک کرنے کے بعد ہی عشق میں کامیابی میسر آتی ہے۔ جیسے کہ ایک بھوکے کا حال ہوا

کرتا ہے۔یعنی بھوک کے دل میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کا تقاضا رہتا ہے۔اسی ضمن میں ایک بزرگ فرماتے ہیں۔کہ! محبت و معرفت ہاتھ آنے کے یہی معنیٰ ہیں۔کہ! اللہ تعالیٰ محبّ عارف کا عیش (جان پہچان والے عاشق کی زندگی) اس کی لذت وغذا (کھانا اور پینا) ہو جائے۔

عشق سلطان اَست در ہر دو جہاں　　　عقل را مدخل نباشد اندراں

(عشق دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے۔عقل کا وہاں اندر تک دخل نہیں)

اے عزیزِمَن! اس بات پر بھی ذرا غور کرو۔کہ! تمھارا رہنا اور بسنا کس (حال وکیفیت) میں ہے۔ظاہر ہے کہ محبت کی محبت میں۔یعنی اسی محبت میں ہی تمھیں رہنا بسنا ہے۔اسی کو عشق کہتے ہیں۔محبت سے دور یا اس سے الگ رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔جس کسی سے تم محبت کرتے ہو۔یا اُسے دوست بناتے ہو۔یا اُسے اپنا محبوب گردانتے ہو۔یا جس کی طرف تم اپنا دھیان،توجہ یا رُخ کرتے ہو۔وہ تم ہی تو ہو۔خود سے محبت کرنا سیکھو۔خود کی پہچان کرنا سیکھو۔حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! **را ئیت ربی بر بی** ۔(یعنی) دیکھا مَیں نے رب کو اپنے رب سے۔اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ **ما را ئیت شیئا الا رائیت اللہ فیہ** ۔(یعنی) نہیں دیکھی مَیں نے کوئی چیز،مگر دیکھا مَیں نے اللہ تعالیٰ کو اِس میں۔اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔**رائیت ربی فی لیلۃ المعراج فی احسن صورتہ امرد شاب قطط** ۔(یعنی) دیکھا مَیں نے اپنے پروردگار کو معراج کی رات میں، اچھی صورت میں گھنگھریالے بالوں والا۔(یاد رہے۔کہ) آنحضور نبی مکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ ہی میں دیکھا۔اس بات کی سند و دلیل یہ آیتِ کریمہ ہے۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** ۔میں تمھارے نفس کی حقیقت میں ہوں۔پھر بھی تم مجھ کو نہیں دیکھ پاتے۔(اِسی طرح سے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔میں تم میں ہوں۔تمھاری حقیقت تمھاری ذات میں ہوں۔میں ایسا ہوں۔اس کے باوجود بھی کیا تم مجھ کو دیکھ نہیں پاتے۔حضرت نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے۔کہ! نہیں دیکھا میں نے کسی چیز کو،مگر دیکھا مَیں نے اللہ تعالیٰ کو اس میں۔حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ **انا واللہ فی الوحدت واحد** ۔(یعنی) میں اور اللہ تعالیٰ (ہم دونوں) یکتائی میں ایک ہیں۔**انا احمد بلا میم**. **من رانی فقد رای الحق** ۔

احمد است این جا اَحد اے مردِ کار　　　دائمًا با عشق باشد بے قرار

احمد ہی یہاں اَحد ہے۔جو کہ عشق (یعنی عشقِ الٰہی کے حصول) سے ہمیشہ بے چین و بے قرار رہتا ہے۔

عشقِ ربانی کی انتہاء: (رودادِ شیخ منصور ابنِ حلاج رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت جناب خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو بازار میں لاکر سولی چڑھانے کا حکم صادر ہوا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بخود ہنسی خوشی سولی پر چڑھ گئے۔اور پھر مجمع خلقتِ خدا کو مخاطب کر کے فرمایا۔(اللہ تعالیٰ کی کامل) محبت اور عشق بازی کی فقط دو ہی رکعتیں ہیں۔جن کا وضو اپنے لہو سے کیا جاتا ہے۔لہٰذا وہ سولی پر چڑھ کر ’’رکعتان فی العشق الوضوء لا بدمنہ‘‘ پھر جب حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔کہ! محبت میں کمالیت کس بات کا نام ہے؟ فرمایا۔کہ! ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا جائے۔تو صدق (قلب ونیت) سے اپنے خون سے محبوب (یعنی رب متعال) کے لئے چہرہ لال کرے۔پہلے روز اسے قتل کریں۔دوسرے روز جلائیں۔اور تیسرے روز خاکستر کو بہتے پانی میں پراگندہ کریں۔اور جو بھی شخص یہ سب (اپنے محبوب حقیقی لم یزل کے لئے دل کی خوشی سے) برداشت کرے۔اور دَم نہ مارے۔تو سمجھو۔کہ! وہ شخص واقعتًا مقامِ محبت کے لائق ہے۔پھر حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ زار وزار روئے۔اور نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ہوش میں آکر جوش میں کہا۔کہ! حضرت جناب خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پر ہزار رحمت ہو۔کہ! وہ اس دنیائے فانی سے عشق ومحبت میں ثابت قدمی سے سرخرو ہو کر دارِ بقاء کی جانب کوچ فرما گئے۔ **انا للہ و ان الیہ راجعون** ۔(بقولِ شاعرِ عاشق)

عشق کے مضراب سے، نغمۂ تارِ حیات　　　عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

عقل و دل و نگاہ کا، مرشدِ اولیں ہے عشق　　　عشق نہ ہو تو، شرع و دیں، بت کدۂ تصورات

حضرت ابو الفیض قلندر قادری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔کہ! جمیع امور سے بدرجہا بہتر و برتر اور کامیاب بنانے دینے والی چیز **محبت** ہے۔اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی بھی میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔گویا یہ ایک نشہ ہے۔جو کہ بدون مشاہدۂ محبوب کے بالکل نہیں اُترتا۔عمومی لوگ محبت مجازی یعنی عشقِ مجازی میں محو ومستغرق نظر آتے ہیں۔جبکہ! اولیاء اللہ ہمیشہ عشقِ حقیقی یعنی عشقِ رب العالمین میں ہی گُم سُم رہتے ہیں۔(یاد رہے۔کہ) بعض اوقات ایک زمانے تک تلاش کی جانے والی بات ایک ہی لمحے میں سمجھ آجاتی ہے۔جبکہ بعض اوقات ساری زندگی بھی گزر جائے۔تو تلاش کرتے کرتے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔البتہ نیکی کے حصول وتلاش میں اگر کچھ حاصل نہ بھی ہو۔تو اَجر وثواب یقینی ہوتا ہے۔بہر حال! محبت ایک سکر ہے۔کہ جس کا علاج صِرف دیدارِ جمالِ محبوب کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔یاد رہے۔کہ! محبت کے تین اُصول ہیں۔ وفا۔ اَدب اور مروّت۔

☆ **وفا** تو یہ ہے۔کہ! محبّ اپنے محبوب کی فردانیت میں اپنے قلب کو منفرد کر کے مشاہدہ میں ثابت قدم رہے۔اور اس کی ہر ہر ادا سے مانوس ہو جائے۔اور غیر کی طرف تصور وتخیل یا گمان بھی نہ آنے دے۔ ☆ **اَدب** یہ ہے۔کہ! خطرات کی مراعات کا نگاہ دار اور حفظِ اوقات کا پابند اور ما سوا سے انقطاع کرتا رہے۔ ☆ **مروّت** یہ ہے۔کہ! قولاً وفعلاً صدق وصفا کے ساتھ ذکر اللہ پر قائم اور ظاہر و باطن میں اغیار سے روگردانی کر کے سر اللہ پر ثابت قدم رہے۔اور حالاتِ آئندہ کی رعایت کر کے حفظِ اوقات میں کوشاں ہو۔

☆ ایک اور بزرگ کا فرمان ہے۔کہ! **محبتِ الٰہی کے فقط تین ہی اصول ہیں۔ پہلے معرفتِ الٰہیہ پھر راضی بر رضائے الٰہی** اور آخر میں **مکمل توکل الی اللہ**۔کیونکہ! جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی۔تو پھر بندہ تقدیر کے ہر اچھے و بُرے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھتے ہوئے راضی ہو جاتا ہے۔اور جب وہ ہر بات پر راضی برضا ہو جائے تو اُس کا توکل خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی پر ہو جاتا ہے۔اور انہی تینوں اصول کی پاسداری کے دوران سالک و طالبِ صادق کو تقوٰی اور اخلاص خود بخود (**Automatically**) حاصل ہوجاتے ہیں۔

جب ایک محبِ صادق میں یہ تینوں چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔تو وہ لذتِ وصال کے پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کے سر میں آتشِ اشتیاق و محبت بھڑک اُٹھتی ہے۔(بقولِ شاعر)

دل پاک نہیں تو پاک ہو نہیں سکتا انسان ورنہ ابلیس کو بھی آتے تھے ، وضو کے فرائض بہت

عاشقِ رب اور معشوق محبین کی منازل کا بیان : (بمطابق سیدی عبدالوہاب الشعرانی درکتاب ''طبقات امام شعرانی)

محبّ کی پہلی منزل کہ جس سے وہ ترقی کر کے بلندی کی طرف چلتا چلا جاتا ہے۔وہ ہے نفس۔پس جب وہ اس کی تادیب اور ریاضت میں مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ اس کی معرفت اور تحقیق تک جا پہنچتا ہے۔اس مرحلے اور منزل کے عبور کرنے کے بعد اس پر دوسری منزل کے انوار چمکتے ہیں۔اور وہ ہے قلب۔پس جب وہ اس کی تادیب میں مصروف ہو جاتا ہے۔یہوں تک کہ اسے بھی پہچان لیتا ہے۔اور اس سے اس پر کچھ باقی نہیں رہتا۔تو اس پر تیسری منزل کے انوار چکنا شروع ہو جاتے ہیں۔اور وہ ہے روح۔اور جب وہ اس کی بھی اصلاح میں مصروفِ عمل ہو رہتا ہے۔اور اس کی معرفت اور عرفان مکمل ہو جاتا ہے۔تو اس پر تھوڑا تھوڑا کر کے انتہائی حدوں تک یقین کے انوارات چمکتے ہیں۔اور یہی عوام کا راستہ ہے۔

☆ اَب رہا خواص کا طریق،تو اس کی تھوڑی سی ہی تشریح میں عقول مضمحل ہو جاتے ہیں۔اور جسے اللہ تعالیٰ اصلی عقل کے نور سے استعانت فرماتا ہے۔وہ اس وجود کا بعین مشاہدہ کرتا ہے۔جس کی اس بندے کی نسبت سے نہ کوئی حد ہے اور نہ ہی کوئی انتہا۔بلکہ اس میں تو ساری کائنات ہی مضمحل ہو جاتی ہے۔پس کبھی وہ اس کائنات کا اس میں ایسے مشاہدہ کرتا ہے۔جیسے کہ کوئی معمار ہوا میں سورج کے انوارات کے ساتھ کسی گھر کا مشاہدہ کرتا ہے۔اور کبھی آفتاب کی روشنی کے جھروکے سے بدل جانے کی وجہ سے اس کا مشاہدہ نہیں کرتا۔پس وہ سورج کہ جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔نورِ یقین کے مادے کے بعد عقل لازم ہے۔اور جب یہ نور مضمحل ہو جاتا ہے۔تو ساری کائنات ختم ہو جاتی ہے۔اور یہ موجود باقی رہ جاتا ہے۔پس کہیں تو فنا ہو جاتا ہے۔اور کبھی کبھی باقی بھی رہتا ہے۔یہاں تک کہ جب اس کے ساتھ کمال کا ارادہ کیا جاتا ہے۔تو اس میں ایک خفیہ سی ندا دی جاتی ہے۔جس کی آواز تو نہیں ہوتی۔مگر اسے سمجھنے کے لئے اس کی معاونت ضرور کی جاتی ہے۔لیکن یاد رہے۔کہ جو اسے غیر اللہ سمجھتا ہے۔تو اس کا رب العزت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔پس اس وقت وہ اپنی بے ہوشی سے بیدار ہوتا ہے۔اور عرض کرتا ہے۔کہ! اے میرے پروردگار! مجھے ثابت (قدم) رکھ۔ورنہ میں ہلاک ہونے والا ہوں۔پس وہ یقینی طور پر جان لیتا ہے۔کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے اس سے کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔پس اس وقت اسے کہا جاتا ہے۔کہ یہ موجود وہی عقل ہے۔جس کے متعلق آنحضور نبی آخر الزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔''عقل'' ہے۔پس اس بندے کو اس موجود کے نور کے لئے عاجزی اور اطاعت عطا کی گئی۔کیونکہ وہ اس کی حد اور انتہا پر قادر نہیں۔تو جب اللہ تعالیٰ اپنے اسماء کے نور کے ساتھ اس بندے کی استعانت فرماتا ہے۔تو یہ پلک جھپکنے میں سب کچھ (یعنی تمام منازل ولایت) طے کر لیتا ہے۔یا پھر جیسے اللہ تعالیٰ چاہے۔جس کے لئے چاہے۔درجات بلند فرماتا ہے۔پھر روحِ ربانی کے نور کے ساتھ اس کی معاونت فرماتا ہے۔تو وہ اس موجود کو بخوبی پہچان لیتا ہے۔پس روحِ ربانی کے میدان کی طرف ترقی کرتا ہے۔پس یہ بندہ ان تمام احوال کے ساتھ جن سے کہ وہ متصف ہوا۔اور جن سے کہ فارغ ہوا چلا جاتا ہے۔اور ایسے باقی رہتا ہے۔گویا کہ موجود ہی نہیں۔پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنی صفات کے انوارات کے ساتھ زندگی عطا فرماتا ہے۔پس اسے اس زندگی کے ساتھ اس وجودِ ربانی کی معرفت میں داخل فرما دیتا ہے۔تو جب وہ اس کی صفات کی اصل مہک پاتا ہے۔تو قریب ہے۔کہ وہ چلا اُٹھے۔**ھواللہ**۔تو جب اس کے ساتھ عنایتِ ازلی شامل حال ہوتی ہے۔تو اسے ندا دیتی ہے۔خبردار! یہ موجود وہی ہے۔کہ کسی کو جائز نہیں۔کہ اسے کسی صفت کیساتھ موصوف کرے۔اور نہ ہی یہ کہ کسی شئے کے ساتھ کسی نا اہل کے سامنے اس کی تعبیر کرے۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

لیکن وہ اس کے غیر کے نور کے ساتھ اسے پہچانتا ہے۔تو جب اللہ تعالیٰ ستر ارواح کے نور کے ساتھ اس کی مدد فرمائے۔تو وہ اپنے نفس کو ستر کے میدان کے دروزے پر بیٹھا ہوا پاتا ہے۔پس وہ اپنی ہمت بلند کرتا ہے۔تا کہ اس موجود کو پہچانے۔جو کہ ستر ہے۔پس وہ اس ادراک سے نابینا ہو جاتا ہے۔پس اس کے تمام اوصاف ''**لا شیء**'' ہو جاتے ہیں۔گویا کہ وہ کچھ بھی نہیں۔تو جب اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی نور کے ساتھ اس کی مدد فرماتا ہے۔تو اسے باقی رہنے والی زندگی عطا فرماتا ہے۔کہ جس کی کوئی حد نہیں۔پس وہ اس زندگی کے نور کے ساتھ تمام معلومات کو دیکھتا ہے۔اور ہر شئے میں نورِ حق کو چمکتا ہوا پاتا ہے۔اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔پس اسے قریب سے ندا دی جاتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ کھانا۔کیونکہ محجوب تو وہ ہے۔جو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ حجاب میں رہا۔کیونکہ محال ہے۔کہ اسے اس کا غیر حجاب میں میں رکھے۔اسے وہاں ایک ایسی زندگی عطا ہوتی ہے۔جسے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں ودیعت فرمایا ہے۔پھر کہتا ہے۔اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں۔حتیٰ کہ تیرا غیر نہ دیکھوں۔یہ علی الاعلیٰ کے دربار کی طرف

ترقی کرنے کا راستہ ہے۔اور یہی محبین کا راستہ ہے۔جو کہ انبیاءؑ کا بدل ہیں۔اور اس منزل کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ جو بھی کچھ عطا فرماتا ہے۔کوئی اس کا ایک ذرہ بھی بیان نہیں کر سکتا۔اور اس کی (لا تعداد و بے شمار) نعمتوں پر سب خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔

بیٹھے بیٹھے اکثر میں یوں گم ہو جاتا ہوں　　　تب پھر میں ، میں نہیں رہتا ، تم ہو جاتا ہوں

☆ رہا محبوبین کا راستہ، جو کہ ان کے ساتھ مخصوص ہے۔تو وہ اس سے اس کی طرف اس کے ساتھ ہی ترقی کرتا ہے۔کیونکہ محال ہے۔کہ اس کی طرف اس کے بغیر رسائی حاصل نہ ہو سکے۔پس قدم کے بغیر ان کا پہلا قدم اس وقت ہے۔جب ان پر اس کے نورِ ذات کی تجلی ہوتی ہے۔پس انہیں اپنے بندوں کے درمیان غائب کر دیتا ہے۔اور انہیں خلوتوں کی محبت عطا فرماتا ہے۔اور ان کے اعمالِ صالحہ حقیر ہو جاتے ہیں۔اور ان کے ہاں (صرف اور صرف) زمین و آسمان کا پروردگار ہی عظیم ہوتا ہے۔پس وہ اس کیفیت میں ہوتے ہیں۔کہ انہیں عدم کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔جب وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔کہ وہ تو ''لاشی ء'' ہیں۔اس کے بعد ان پر ان کی اپنی ہی نظر سے غائب ہونے کی ظلمت لگا دیتا ہے۔پس ان کی نظر عدم ہو جاتی ہے۔جس کی کوئی علت نہیں۔پس تمام علتیں مٹ جاتی ہیں۔اور ہر حادث زائل ہو جاتا ہے۔پس کوئی حادث نہ وجود۔بلکہ اس عدم کے بغیر کچھ بھی نہیں۔کہ جس کی کوئی علت ہو۔پس کوئی معرفت اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی۔معلومات مضمحل اور مرسومات ایسی زوال پذیر کہ ان میں کوئی علت نہیں۔اور وہی باقی رہ گیا۔جس کی طرف کہ اشارہ کیا گیا۔جس کی کوئی وصف ہے نہ صفت اور نہ ہی کوئی ذات۔اوصاف بھی مضمحل، اسماء وصفات بھی اسی طرح، اس کا نہ کوئی نام نہ کوئی صفت اور نہ ذات۔پس اس وقت وہ ظاہر ہوا۔جو کہ ہمیشہ سے ہی ظاہر رہا۔جس میں کوئی علت نہیں۔بلکہ اپنے اِرکے ساتھ اپنی ذات کے لئے اپنی ہی ذات میں ایسا ظہور پایا۔کہ جس کی اولیت نہیں۔بلکہ اپنی ذات سے اپنی ہی ذات کے لئے اپنی ذات کی نظر فرمائی۔اور وہاں اس کے ظہور کے ساتھ بندہ ناچیز ایسی حیات متبرکہ پاتا ہے۔کہ اس کی کوئی علت نہیں۔اور اپنے ہی ظہور میں اول ہوا۔کہ اس سے پہلے کچھ ظاہر نہیں۔پس اس کے اوصاف کے ساتھ اشیاء پائی گئیں۔اور اس کے نور کے ساتھ اسی کے نور میں ظاہر ہوئیں۔پھر ایک سمندر کے بعد دوسرے سمندر میں غوطے لگاتا ہے۔حتی کہ ستر کے سمندر تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔پس جب ستر کے سمندر میں داخل ہوتا ہے۔تو ایسا غرق ہوتا ہے۔کہ پھر ابدالآباد تک کبھی اس سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔پھر اگر اللہ رحیم و کریم چاہے۔تو اسے نبی مکرم ﷺ کے نائب کے طور پر اُٹھاتا ہے۔اس کی بدولت اپنے بندوں کو زندہ فرماتا ہے۔اور اگر چاہے۔تو اسے چھپائے رکھتا ہے۔اپنی مملکت میں جو چاہے، کرے۔یہ خاص و عام کے راستے کا عنبر ہے۔پس تو آگاہ رہ۔

کتنے ہیں خدا جانے رُخِ یار کے پہلو　　　سو بار ہو دیدار تو سو بار نیا تھا

میری (البلوشی کی) رائے کے مطابق! جب دائمی ذکر ہی محبت و مودتِ الٰہی کا سبب ہے۔اور اللہ جل شانہ کامل محبت، عبودیت، تعظیم، تکریم و اجلال کا سب سے بڑھ کر مُستحق ہے۔تو اس کا ذِکر بندے کے لئے جُملہ اشیاء و ضروریاتِ حیات میں سب سے مُقدم ہونا لازمی ہے۔تاکہ ایسا شخص رحمتِ رحمانی اور فیوضات و انعاماتِ ربانی سے مستفید و منتفع اور مفید ہونے کا مستحق قرار پا سکے۔آمین۔

سوداگری نہیں ، یہ عبادت خُدا کی ہے　　　اے بے خبر! جزاء کی تمنا بھی چھوڑ دے

اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے حق و سچ کتابِ مبین قرآنِ حکیم میں اہلِ ایمان کے لئے فرمایا ہے کہ **یا یھاالذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکراللہ ج ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخسرون** (سورہ المنافقون۔ آیت 9) اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے غافل کر نہ دیں۔اور جو ایسا کریں۔وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ، نبی آخرالزمان حضرت رسالت مآب ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ! میں اپنے بارے میں بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں جب کہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اگر وہ تنہائی میں میرا ذکر کرے تو میں بھی تنہائی میں اسکا ذکر کرتا ہوں۔اور اگر وہ محفل میں میرا ذکر کرے تو میں اُس محفل میں اسکا ذکر کرتا ہوں جو اسکی محفل سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔اور اگر وہ ایک بالشت کے برابر میرے قریب آئے تو میں چار ہاتھ کے برابر اسکے قریب ہوتا ہوں۔اور اگر وہ چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں (صحیح بخاری و مسلم)

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　　ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت　　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

☆ **حدیثِ نبوی** ﷺ میں آیا ہے۔کہ! حضرت عبداللہ بن بسرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے (بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر) عرض کی۔یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کی تعلیمات بہت زیادہ ہیں۔آپ ﷺ مجھے کسی ایسی چیز کے بارے میں بتائیں جسے میں باقاعدگی سے اختیار کر لوں۔نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا (کہ) تمھاری زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے تر رہنی چاہیئے۔

یہی آئینِ قدرت ہے ، یہی اسلوبِ فطرت ہے　　　جو ہے راہِ عمل میں گامزن ، محبوبِ فطرت ہے

☆ اور سب سے کٹ کر اُسی (ربِ متعال) کے ہو رہو۔(یعنی رجوعِ الی اللہ۔اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت کی جائے اور تمام رشتوں ناطوں پر اللہ تعالیٰ کے قرب و تعلق کو فوقیت دی جائے۔صحیحین کی واضح حدیث ہے کہ! تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔جب تک کہ میں (آپ ﷺ) اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے محبوب تر ہو جاؤں۔)

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

☆ وہی مشرق ومغرب کا (حقیقی) مالک ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔لہذا اُسی کو اپنا کارساز بنالو۔(یعنی کہ! اِس دنیا کی ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالٰی خود ہے۔وہی **مسبب الاسباب** ہے۔پھر کیوں نہ اُسی کو ہی اپنا وکیل اور کارساز بنایا جائے۔لہذا دنیاوی اسباب کے پیچھے بھاگنے کے بجائے کیوں نہ اسباب پیدا کرنے والی ذات پر مکمل یقین وبھروسہ کیا جائے۔کیونکہ صوفی ہمیشہ توکل وتقوٰی کے بلند مقام پر فائز ہوکر حقیقی صوفی بنتا ہے)

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج من کی دنیا میں نہ دیکھے مَیں نے شیخ و برہمن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات تُو جھکا جب غیر کے آگے، نہ میرا من نہ تیرا من

☆ اور جو باتیں لوگ (آپ ﷺ کے متعلق) بنارہے ہیں۔اِن پر صبر کریں۔(یعنی کہ! اِس دنیا میں کوئی بھی شخص چاہے کوئی نیک عمل کرے یا بد، دنیا والے اُس پر نہ صرف باتیں بناتے ہیں بلکہ طرح طرح کی تہمتیں لگا کر بدنام کرتے ہیں۔لہذا ہر بات پر صبر کرنا چاہیئے۔دانا کو تو چاہیئے کہ ہر طاغوت کے مقابلے میں جو بھی تکلیف آئے اِس سے پریشان ہوکر ایمان کو کمزور نہیں ہونے دینا، بلکہ صبرواستقلال کی قوت سے ہر طاغوتی طاقت کا مقابلہ کرنا ہے۔خواہ وہ میدانِ جنگ و جہاد ہو یا نفسانی وشہوانی خواہشات کے خلاف ہو۔ہر میدان میں صبر وتحمل اور اللہ تعالٰی کی طرف سے آزمائش وامتحان سمجھ کر حالات میں استقلال پیدا کرنا ضروری ہے۔) ☆ اور شرافت کے ساتھ اِن سے الگ ہو جائیں۔(مخالفین و جہلاء سے نہایت عمدگی، خوش اخلاقی اور شائستگی کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیئے۔بجائے اِس کے کہ! اُن سے لڑائی جھگڑا کیا جائے۔یا خواہ مخواہ اُن سے اُلجھا جائے) ☆ اور اِن جھٹلانے والے خوشحال لوگوں سے نمٹنے کا کام آپ ﷺ مجھ پر چھوڑ دیں۔اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں۔(یہ اللہ تعالٰی کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی حق پر ہے اللہ و رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کے دوران ظلم وزیادتی کرے گا تو اللہ تعالٰی خود اُن سے انتقام لے گا۔اور ویسے بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس کسی نے اس جہاں میں کسی کا حق مارا یا کسی کے ساتھ ناجائز برتاؤ روا رکھا تو اُسے لازمًا اگلے جہاں میں ضرور حساب دینا ہوگا)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں جو ہو ذوقِ یقیں پیدا، تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حقیقتِ حضرت خضرؑ : صحیحین کے مطابق، آپؑ کے اسم ''**خضرؑ**'' کا سبب یہ ہے۔کہ! اگر آپؑ سادہ فرش (زمین) پر بیٹھتے۔تو وہ سرسبز ہوجایا کرتا۔امام نوویؒ لکھتے ہیں۔کہ! آپؑ کی کنیت متفقہ طور پر ''ابوالعباس'' ہے۔امام نوویؒ نے ابنِ قتیبہ کے حوالے سے آپؑ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے۔(حضرت خضر کا اسمِ مبارک بلیا ہے۔) **بلیا بن ملکان بن فالخ بن شالخ بن عامر بن ارفخشذ بن سام بن نوح نبی علیہ السلام۔** بعض علمائے کرام اور اولیائے عظام کے مطابق حضرت خضرؑ نبی ہیں۔جیسے کہ امام قسطلانی، ابنِ جریر طبریؒ امام نوویؒ، علامہ طحاوی وغیرہم۔مگر چند لوگوں کا خیال ہے۔کہ حضرت خضرؑ ولی کامل ہیں۔جیسے ابوالقاسم قشیری، سیدی عبدالعزیز دباغؒ و غیرہم۔(مگر یاد رہے۔کہ!) اگر حضرت خضرؑ کو نبی کہا گیا اور وہ نبی نہ ہوئے۔تو عقیدہء ختم نبوۃ ہمارے اوپر ایک سوالیہ نشاں ہوگا۔

بندہء و صاحب ومحتاج و غنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

☆ یاد رہے۔کہ! علمائے عظام اور اولیائے کرام کی کثیر جماعت کا اِس بات پر قوی اتفاق ہے۔کہ! رجالُ الغیب اور خاصانِ خدا کے سرخیل وپیشوا درحقیقت حضرت ابوالعباس خضر نبیؑ ہی ہیں۔اِسی لئے آپؑ کو نقیب الاولیاء اور سیدالاولیاء بھی کہا جاتا ہے۔کیونکہ آپؑ واقعتًا اللہ تعالٰی کے **عبدِ خاص اور حاملِ علمِ لدنی وماہر حروفِ مقطعات** ہیں۔اور قرآنِ پاک میں آپؑ ہی کے محاسن، کمالاتِ علمی وروحانی کا جامع اظہار ہوا ہے۔

حضرت خضرؑ اور حضرت الیاس نبیؑ کا اولیائے محمدیہ ﷺ سے تعاون کرنا :

حضرت علاؤالدین سمنانیؒ نے اپنی کتاب **عروۃُ الوُثقٰی** کے بابِ ششم کی چہارم فصل میں حضرت الیاس نبیؑ اور حضرت خضرؑ کا بھی اِس اُمت کے طبقہ رجال اللہ میں ذکر کیا ہے۔حضرت خضرؑ قطبِ ابدال کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔اِن کی عزت کا خیال رکھتے ہیں۔اور اگر اِن کی کوئی ضروریات ہوتی ہیں۔تو نقدی کی صورت میں اُن کی معاونت کرتے ہیں۔حضرت خضرؑ کا نام اور کچھ شجرہء نسب یوں ہے۔**حضرت خضرؑ کا نام ملکان بن ملیان بن طیان بن سمعان بن سام بن نوحؑ** ہے۔جبکہ حضرت نوحؑ کا نام ملکان بن متوشلخ بن ادریسؑ ہے۔اور ادریسؑ کا نام اخنوع ہے۔چونکہ وہ درس بہت دیا کرتے تھے۔اِسی لئے اِن کا نام ادریس مشہور ہوگیا۔اور اِسی طرح سے حضرت نوحؑ نوحہ اور زاری کی وجہ سے، جو آپؑ کیا کرتے تھے۔نوحؑ مشہور ہوگئے۔اور حضرت خضر نبیؑ کو خضر اِس لئے کہا جاتا ہے۔کیونکہ جب آپؑ کہیں تشریف فرما ہوتے۔تو وہ جگہ بفضلِ خُدا سرسبز ہو جاتی تھی۔اور حضرت خضر نبیؑ کی ولادت باسعادت فارس کے مقام پر ہوئی۔جو دراصل شہرِ شیراز سے دوکوس کے فاصلے پر واقع ہے۔بہرحال حضرت خضر نبیؑ اور حضرت الیاس نبیؑ کے مناقب کتبِ کثیرہ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔جیسے مرآۃ الاسرار، قصص الانبیاءؑ وغیرہ۔۔۔ فصل الخطاب میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کے حوالے سے مرقوم ہے۔کہ! دراصل اقطاب کی بے شمار اقسام ہیں۔اور ہر قسم کے لئے علیحدہ ایک قطب ہوتا ہے۔مثلاً! قطبِ زہاد الگ ہوتا ہے۔قطبِ عباد الگ، قطبِ عُرفاء الگ، قطبِ متوکلاں الگ، ۔۔۔علی ھذا القیاس۔۔۔

عشق میں منزلیں نہیں ہوتیں عشق میں فقط ہوتا ہے سفر

ایک انتہا ئی اہم ترین مکتوب شریف : (اسرارِ حقیقی)

تُو نے بس دیکھا ہے صحرا میں ایک درویش　　　تُو نے درویش میں ابھی صحرا نہیں دیکھا

یہ مکتوب حضرت شیخ الہند خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری ؒ نے اپنے خلیفہء خاص جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی ؒ کے حضور ارسال فرمایا تھا۔ جوکہ انتہائی قیمتی وپُرعلم بلکہ علمِ لدنی سے لبریز ہے۔(اس ذرہء ناچیز **البلوشی** کی جانب سے حضرت نبی مکرم ﷺ اور حضرت عمرِ فاروق ؓ کے مابین مکالمات کوشرح اوراشعار کے ساتھ بیان کیا جارہاہے۔اُمید ہے۔کہ! قارئین ذی اکرام کو یہ شرح اوراشعار پسند آئیں گے۔انشاءاللہ)

(میرے) محبّ ہم راز اہلِ یقین برادرم خواجہ قطب الدین دہلوی ! رب العالمین آپ کے ہر کام میں رہنمائی فرمائے۔ (آمین) از جانب فقیر معین الدین چشتی ۔

کبھی عرش پر، کبھی فرش پر، کبھی ان کے در، کبھی در بدر　　　غمِ عاشقی ، تیرا شکریہ، ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

کلمہء طیبہ کی حقیقت :واضح ہوکہ! توحید کے چندنقاط اور ہدایت کے چند رموز وآثار بارگاہِ رسالت مآب آنحضرت احمدمجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے خاکسار (حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری) کوبطورِفیضِ روحانی حاصل ہوئے ہیں۔جن پر میرا کلی اعتماداور پوراپورااعتقادہے۔انہیں گوش وہوش سے سنو۔

☆ ایک روز کا واقعہ ہے۔کہ! آنحضرت نبی مکرم ﷺ ،حضرت ابوبکر صدیق ؓ ،حضرت عثمانِ غنی ؓ ، حضرت علی المرتضیٰ ؓ ، حضرت حسن بن علی ؓ ، حضرت حسین بن علی ؓ ، حضرت ابو ہریرہ ؓ ،حضرت انس ؓ ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ،حضرت خالد ؓ ،حضرت بلال ؓ و دیگرصحابہء کرام ؓ سے خطاب فرماکر رموز واسرارِحقیقت اور حقائق ودقائقِ معرفت بیان فرمارہے تھے۔لیکن امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق ؓ اس مجلس شریف میں حاضر نہ تھے۔ابھی آنحضرت نبی مکرم ﷺ حقیقت ومعرفت کے اسرار ورموز بیان ہی فرمارہے تھے۔کہ! اتنے میں حضرت عمرِ فاروق ؓ بھی اس مجلسِ مقدس میں آن حاضر ہوئے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک کومخاطب کرکے فرمایا۔کہ! اے زبان! اَب بس کردے۔بعض صحابہءکرام ؓ کوتعجب ہوا۔اوران کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہوا۔کہ! شاید آنحضرت نبی مکرم ﷺ حضرت عمرِ فاروق ؓ کو یہ حقائق ومعارف بتانا نہیں چاہتے۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ وحضرت عمرِ فاروق ؓ اور دیگر بعض مقربینِ بارگاہ ؓ نے آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی۔کہ حضور ﷺ! یہ کیا ماجرا ہے ؟ آنجناب ﷺ نے حقائق و معارفِ الٰہی دیگرصحابہ کرام ؓ کے سامنے بیان فرمادیئے۔لیکن حضرعمرِ فاروق ؓ سے وہ رموز وحقائق آپ ﷺ نے چھپالئے۔

(تو) جناب سید المرسلین ﷺ نے تمام صحابہءکرام ؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔کہ! مَیں نے عمر ؓ سے رموز واسرارِ باطنی کو چھپایا نہیں ہے۔ بلکہ بات یہ ہے۔کہ! شیر خوار بچے کواگر مرغن حلوہ اورگوشت وغیرہ ثقیل غذا کھلائی جائے۔تو اسے مضر پڑتی ہے۔ لیکن جب بچہ بالغ ہوجاتا ہے۔تو کھانے پینے کی کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچاتی۔

آنحضور رسالت مآب ﷺ حضرت عمرِ فاروق ؓ کی باطنی استعداد وقابلیت کے موافق اُن سے دیگر اسرار ومعرفت بیان فرمانے لگے۔چنانچہ منزلِ جبروت ولاہوت کے حقائق ودقائق حضرت عمرِ فاروق ؓ کوتلقین فرمائے۔آنحضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! **من عرف الله .لا یقول الله.ومن یقول الله ما عرف الله.** (یعنی کہ!) جس شخص کواللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوجاتی ہے۔اس کو منہ سے ''اللہ اللہ'' کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور جو بندہ منہ سے ''اللہ اللہ'' کہتا ہے۔تو سمجھ لو۔کہ! ابھی تک اسے معرفتِ الٰہی نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت عمرفاروق ؓ نے عرض کیا۔کہ! **یاحضرت ﷺ! یہ** کیسی معرفت ہے۔کہ بندہ اپنے مالک کا نام ہی نہ لے۔اوراس کی یادکوترک کربیٹھے۔سرکارِدو عالم ﷺ نے جواب دیا۔کہ! ارشادِخداوندی ہے۔ **و هو معكم اينما كنتم** ۔(یعنی کہ! جہاں کہیں تم ہو۔وہیں اللہ تعالیٰ تمھارے ہمراہ موجود ہے) پس اے عمر ؓ! جو ہروقت ہمراہ ہو۔اورکسی (بھی) وقت نظروں سے اوجھل نہ ہو۔(تو) اس کا یادکرنا کیونکرضروری ہے ؟

حضرت عمر فاروق ؓ نے (پھر) عرض کیا۔کہ! اللہ تعالیٰ کہاں ہمارے ہمراہ (ہروقت موجود) ہے ؟

سرکارِدوعالم ﷺ نے جواب ارشادفرمایا۔کہ! بندہ کے دل میں ۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے (پھر) عرض کیا۔کہ! **بندے کا دل کہاں ھے ؟**

سرکارِدوعالم ﷺ نے جواب ارشادفرمایا۔کہ! قالبِ انسان میں۔لیکن یادرہے۔کہ! دل دوقسم کا ہوتا ہے۔ایک قلبِ مجازی (جبکہ) دوسرا قلبِ حقیقی۔

اے عمر ؓ! حقیقی دل وہ ہے۔جو نہ دائیں جانب ہے (اور) نہ ہی بائیں جانب۔نہ اوپر کی جانب ہے نہ نیچے کی طرف۔ یہ محض اِن مقربانِ الٰہی کا حصہ (خاصہ) ہے۔جوحضورِ الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہتے ہیں۔کیونکہ! مومنِ کامل درحقیقت عرش ہی ہوتا ہے۔

(جیسا کہ فرمان ہے) **قلب المؤ من عرش الله تعالیٰ۔** یہاں پرفقیر (محمد عبدالرؤف البلوشی) عرض گزار ہے۔کہ! (بقولِ شاعر!)

حدیث دل اگر گویم بصد دفتر نمی گنجد　　　کمالِ وصفِ دل ہرگز بہ بحر وبر نمی گنجد

بیا اے طالبِ صادق بحالِ خویش خوش بنگر　　　کہ او در عالمے آمد کے پائے سر نمی گنجد

(کیونکہ ! صاحبِ دل کا تو یہ مرتبہ ہے)

دل چو جنبد مے جنباند عرش را — عرش را دل فرش ساز و زیرِ پاء
تُو نمیدانی کہ صاحبِ دل عظیم — عرش را عزت بود از دل دل سلیم

(بقولِ میاں محمد بخشؒ)

سب کجھ کیتا یار حوالے تن من جان وی تیری — میں کوجھی دا مرشد توں ایں لاج رکھیں ہن میری
مرشد دا احسان میرے تے سار لئے محتاجاں — ایتھے اوتھے دوئیں جہانیں پیر میرے نوں لاجاں
پیر دے ہتھ وچ ہتھ نوں دے کے بھید نہ ولادا کھولیں — جھیڑا کلمہ پیر پڑھاوے اوہی کلمہ بولیں
جنہاں عشق نمازاں پڑھیاں او کدے نہ مَردے — کامل مَرداں دے گھر جا کے ویکھ لے دیوے بَلدے
راہ دے راہ دے ہرکوئی آکھے میں وی آکھاں راہ دے — بن مرشد تینوں راہ نئیں لبھنا مَر ویسیں وچ راہ دے
مالی دا کم راکھی کرنا، پھل پکے ہون یا کچے — پیر مریداں دے سر تے رہندے جھوٹے ہون یا سچے

(بقولِ میاں محمد بخشؒ)

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مَرداں دے آئی — مَرد نگاہ کرن جس ویلے، مشکل رہے نہ کوئی

اِسی طرح سے حضرت سلطان العارفین سلطان باھوؒ اپنے مختلف اشعار و ابیات میں مرشد کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ!

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد مَن وچ لائی ہو — نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
ہر جا بُوٹی مُشک مچایا جاں پھلن تے آئی ہو — مرشد کامل ہر دم جیوے باھوؒ جیں اے بُوٹی لائی ہو
جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایاہو — سنیا سخن گیاں کُھل اکھیں اساں چِت مولا دل لایا ہو
نہ میں جوگی ناں میں جنگم ناں میں چلّہ کمایا ہو — ناں میں بھج مسیتیں وڑیاں ناں تسبی کھڑکایا ہو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ فرمایا ہو — مرشد سوہنی کیتی باھوؒ پل وچ جا پہنچایا ہو
سینے وچ مقام ہے کیندا سانوں مرشد گل سمجھائی ہو — ایہو ساہ جو آوے جاوے ہور نہیں شئے کائی ہو
جے توں چاہیں وحدت رب دی مَل مرشد دیاں تلیاں ہو — مرشد لطفوں کرے نظارہ گُل تھیون سب کلیاں ہو
اِنہاں کلیاں وچ ہِک لعل ہوسی گُل نازک کل پھلیاں ہو — دو جہاں اِنہاں دے باھوؒ جنہاں سنگ کیتا ڈو ڈلیاں ہو
زاہد روزے نفل نمازاں سجدے کرکر تھکے ہو — سو واری مکے حج گزارن دل دی دوڑ نہ مکے ہو
چلّے چلیئے جنگل بھونا اس گل تھیں نہ پکے ہو — سب مطلب ہو جاندے حاصل باھوؒ جدوں پیر نظر ہِک تکے ہو

(کیونکہ) کامل لوگ اور طالبان (صادق) سوال و جواب نہیں کیا کرتے۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ خاموش اور باادب رہا کرتے ہیں۔

(ہم دوبارہ مکتوب کی طرف آتے ہیں) چنانچہ جناب حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **قلب المؤمن حاضرۃ من ذکر الخفی قسو ای ان مقامی ذکر الخفی فھو میت** ۔ (یعنی کہ! مؤمن کے دل میں ذکرِ خفی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ لہذا اسے حیاتِ جاودانی حاصل ہوتی ہے۔ اور مسلم کا دل خفی ذکر سے چونکہ غافل ہوتا ہے۔ اس لئے درحقیقت مردہ شمار ہوتا ہے۔

یہ فقیر ذرہ ناچیز عبدالرؤف بلوچ دل (قلبِ ظاہری و باطنی) کے متعلق قارئین کی خدمتِ عالیہ میں کچھ شرح بیان کرنے کا خواستگار رہے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے قلب کی کئی اقسام ہیں۔ مگر تین اقسام مشہور ہیں۔ جیسا کہ! **قلب منیب ۔ قلب شہید اور قلبِ سلیم ۔**

خود کو اعتکاف بٹھا خود کے اندر — تیرے وجود سے بڑی مسجد ہے کہاں

☆ **قلبِ منیب** : یہ وہ قلب ہے۔ کہ! جس سے خطراتِ روحی اور نیک امور ظاہر ہوں۔ مثلاً تقوی، مجاہدہ، عبادت و ریاضت وغیرہ۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے۔ کہ! **من خشی الرحمان بالغیب وجاء بقلب منیب** ۔ جو رب الرحمان کو بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والا دل لے کر آئے۔ (سورہ ق۔ آیت نمبر 33)

☆ **قلبِ شہید** : یہ وہ قلب ہے۔ کہ! جس کو عرش اللہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ قلبِ شہید کے متعلق ارشادِ ربانی ہے۔ کہ! **لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید** ۔ ہراس شخص کے لئے، جس کے پاس دل ہو۔ یا جو توجہ کے ساتھ بات کو سنے۔ (سورہ ق۔ آیت نمبر 37)

☆ **قلبِ سلیم** : یہ وہ قلب ہے۔ کہ! جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت سما جائے۔ اور ماسوٰی اللہ سے فارغ ہوجائے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔ کہ! **یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ . اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ** ۔ مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حضور سلامتی والا دل لے کر آئے گا۔ (سورہ الشعراء۔ آیت نمبر 89) اسی طرح ایک اور جگہ آیا ہے۔ کہ! **اِذۡ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ** ۔ جبکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف ستھرا دل لے کر آئے۔

دل کہ از ہمراز خدا غافل است — دل بناید گفت کو مُشتِ گِل است

حکایت : سلامتی والے دل کے متعلق ایک مشہورو معروف حکایت حضرت خواجہ جناب غلام فرید ؒ (سرائیکی شاعر) سے منسوب ومنقول ہے۔کہ!
ایک مجذوب ہر کسی کو پکڑ کر فقط ایک ہی سوال کیا کرتا تھا۔کہ! **عید کد ان** ؟ (یعنی عید کب ہوگی ؟) لوگ اُس مجذوب کا مذاق اُڑاتے تھے۔
ایک روز حضرت خواجہ غلام فرید ؒ کو بازار میں اُسی مجذوب نے دیکھا۔تو حسبِ معمول اپنا یہی سوال دُہرایا۔کہ! **عید کد ان** ؟ (یعنی عید کب ہوگی ؟) حضرت خواجہ ؒ صاحبِ حال بزرگ شخصیت تھے۔اُس مجذوب کی دِلی کیفیت کو فوراً بھانپ گئے۔اور بڑے پیار بھرے انداز میں جواباً فرمایا۔ **یار ملے جد ان** (یعنی جب یار ملے) پھر مجذوب نے پوچھا۔ **یار ملے کد ان** ؟ (یعنی یار کب ملتا ہے؟) پھر حضور خواجہ فرید ؒ نے فرمایا۔ **مَیں مَرے جدان** ۔ (یعنی جب مَیں (انانیت) مرتی ہے) پھر مجذوب نے پوچھا۔ **مَیں مَرے کد ان** ؟ (یعنی مَیں کب مرتی ہے؟) پھر حضور خواجہ فرید ؒ نے فرمایا۔ **یار تکے جد ان** ۔(یعنی جب یار (یارِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ) جب دیکھتا ہے)

☆ قرآنِ مجید نے قلب کے متعلق مزید کچھ اقسام اور تشریحات بیان ہوئی ہیں۔ جیسے کہ! **اغفلنا قلبه ۔ تطمئن القلوب ۔قلبه وهو الد الخصام۔ غليظ القلب۔ و قلبه مطمئن بالايمان۔ اغفلنا قلبه عن ذكرنا ۔ في قلبه مرض۔ كل قلب متكبر جبار** ۔۔۔وغیرہا۔
بقول حضرت **ابوالفیض قلندری سہروردی** ؒ ! قلب کے مرتبہ سے توحیدی حضور منکشف ہوتی ہے۔اور طالبِ صادق کو تو پہلے ہی روز ثابت ہو جاتا ہے۔کہ! میری ہستی پہلے کس اہمیت کی حامل تھی۔اور اَب کیا ہے ؟ اور اس کے مراقبے کے تصور سے علمِ حاضرات معرفتِ توحید میں پہنچ جاتا ہے۔اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس ومحفلِ بابرکات میں داخل ہو جاتا ہے۔اور پھر زندہ ومتوفی مسلمانان ومومنین اور اولیائے اللہ ؒ کی ارواح سے شرفِ ملاقات حاصل کرتا رہتا ہے۔ یاد رہے۔کہ! مراقبہ کے علمِ حاضرات سے آسمانوں ،عرش وکرسی ،لوح وقلم اور زمین کے ساتوں طبقات کا تماشا نظر آتا ہے۔اور پہاڑ کے نیچے سنگِ پارس کے دریافت کرنے کا تصرف بھی حاصل ہوتا ہے۔بہر حال ! قلب کے چار اسماء ہیں۔

قلبِ صنوبری۔ قلبِ خلیل۔ قلبِ نیلو فری۔ قلبِ مدوّر۔

☆ **قلبِ صنو بری** : اس کا رنگ ونور زرد ہے۔ ☆ **قلبِ خلیل** : اس کا رنگ ونور سُرخ ہے۔
☆ **قلبِ نیلو فری** : اس کا رنگ ونور سیاہ ہے۔ ☆ **قلبِ مُدَوّ رُ** : اس کا رنگ ونور سبز ہے۔

محققین کے نزدیک مراقبہ کے معنے ایک دوسرے کو ملاحظہ کرنا ہے۔اور اسی توجہء قلبی کو رقیب کی طرف پھیرنا ہے۔رقیب اسمآئے الٰہیہ میں سے ایک اسمِ رحمانی ہے۔اور نتیجہء مراقبہ یہ ہے۔کہ! تصورِ محبوب میں ایسا غرق ہو۔کہ! پھر کسی طرح کی بھی خبر نہ رہے۔عارفانِ حقیقی فرماتے ہیں۔کہ! مقصود (یعنی سرّ) اور خاصہ جملہ مراقبات کا یہی ہے۔جو یہاں بیان کیا گیا ہے۔
حضرت **عزیزان خواجه علی رامیتنی** ؒ فرماتے ہیں۔کہ! جس وقت تین دل جمع ہو جائیں۔تو مومن بندے کا (یقینی طور پر ہر جائز) کام بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم کا دل۔ مومن بندے کا دل ، رات کا دل۔(یعنی بندہ مومن رات کو حضوری قلب سے قرآنِ حکیم کی قرأت کرے)

☆ **مراقبہء حجاب** : خلوت میں (کہ جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔بلکہ کسی انس وحیوان وطیور کی آواز تک کانوں میں نہ پہنچے) روبہ قبلہ سیدھا ہو کر اس طرح اپنی نشست رکھے۔کہ! ریڑھ کی ہڈی میں خم نہ ہو۔آنکھیں سامنے لگی ہوں۔اللہ تعالیٰ کا نقش (جیسا کہ! تصورِ اسمِ ذات کا نقش پچھلے ابواب میں اور اسی کتاب کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے) اپنے سینے میں تصور وتخیل کرے۔اور اس دوران شغلِ پاس انفاس کرے۔اور غیرِ حق کو خیال میں مدخل نہ ہونے دے۔اس طریق سے اگر کوئی سالک وطالبِ صادق ہفتے وعشرے تک مراقبہ کی بخوبی مشق سرانجام دیتا رہے۔تو وہ خوش نصیب بزمِ توحید میں اپنے رفیقِ حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ساتھ اس کی نورانی وعرفانی حضوری میں ہم مجلس ہو جائے گا۔ان شاءاللہ) بہر حال ! ہم دوبارہ مکتوب کی طرف آتے ہیں۔
پھر حضرت عمر فاروق ؓ نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ ! **مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے** ؟
سرکارِ دوعالم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔کہ! مومن (درحقیقت) عارفِ الٰہی ہوتا ہے۔اور عارف میں یہ وصف ہوتا ہے۔کہ وہ خاموشی اور غمگینی کی حالت میں رہتا ہے۔اور مسلم زاہد اور خشک ہوتا ہے۔
اس کے بعد جناب سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا۔مومن وہ نہیں۔جو مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔اور زبانی طور"**لا اله الا الله**" کہتے ہیں۔اے عمر ؓ ! ایسے کلمہ گو کو چہء حقیقت سے بے بہرہ اور بے خبر ہیں۔یہ مومن نہیں۔بلکہ منافق ہیں۔کیونکہ! زبان سے تو کلمہ" لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرتے ہیں۔لیکن کلمہ کے اصل معنی سے ناواقف ہیں۔انہیں (تو) خاک بھی پتہ نہیں ہے۔کہ کلمہ سے اصل مقصود کیا چیز ہے۔یعنی" لا الہ الا اللہ" تو کہہ لیتے ہیں۔لیکن ان کو کیا خبر کہ! نیست (نفی) سے کیا مراد ہے اور ہست (اثبات) سے کیا۔ایسا شکی طور پر کلمہ کہنا شرک ہے۔اور شرک وشک عین کفر (انکار) ہے۔ایسے کلمہ گو کافر کہلاتے ہیں۔کیونکہ! انہیں یہ (تک) نہیں معلوم کہ کلمہ میں کس کی نفی مراد ہے اور کس کا اثبات۔
(مملکت پاکستان کے مشہور ومعروف ناول وڈرامہ نگار پروفیسر اشفاق احمد صاحب" زاویہ والے" نے مسلم اور مومن کا یہ فرق بتایا ہے۔کہ! **مسلم** وہ ہے۔جو" **اللہ تعالیٰ کو** " مانتا ہے۔جبکہ! **مومن** وہ ہے۔جو" **اللہ تعالیٰ کی** " مانتا ہے)
حضرت عمر فاروق ؓ نے (پھر) عرض کیا۔کہ! پھر کلمہ طیبہ(**لا اله الا الله محمد رسول الله**) کا اصل مقصد کیا ہے؟

جناب سیدالمرسلین ﷺ نے جواب ارشادفرمایا۔کہ! کلمہ کے معنی یہ ہیں۔کہ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے دنیا میں کوئی (بھی) موجودنہیں۔اور (آخری نبی امام الانبیاء سیدالمرسلین) محمد ﷺ (عین) مظہرِ خدا ہیں۔پس طالبِ مولا کو چاہیئے۔کہ! اپنے دل میں غیراللہ کا خیال تک بھی نہ آنے دے۔اور ذاتِ خداوندی کو ہی ہرجگہ موجود سمجھے۔ **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** ۔ (یعنی کہ! جس سمت تم دیکھو۔ اللہ تعالٰی کی ذات ہے۔ (بقولِ شاعر)

تجلّی تیری ذات کی سُو بسُو ہے　　　جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

اسی طرح بجائے قلبی زبان سے لسانی کلمہ کے پڑھنے کے بارے میں حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں۔کہ!

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا پڑھدا کوئی ہو　　　جتھے کلمہ دلوں پڑھیوسے زبان ہلّے نہ ڈھوئی ہو

دل دا کلمہ عارف پڑھدے کی جانے یار گلوئی ہو　　　ایہہ کلمہ مینوں پیر پڑھایا باھوؒ میں تدوں سہاگن ہوئی ہو

اے عمرؓ! جب سالک اپنی تمام صفات کو معدوم سمجھے۔اور صرف ذاتِ الٰہی کو ہی موجود سمجھے۔اس وقت وہ سالک مرتبہء کمال کو پہنچ جاتا ہے۔اس مرتبہ میں سالک کی حالت **من عرف ربہ فقد کل لسانہ و قطع ارجلہ** ۔کا مصداق بن جاتی ہے۔یعنی جس شخص کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگئی وہ گونگا اور لنگڑا ہوگیا۔ (بقولِ شاعر)

اسم اللہ ذوق بخشد باوصال　　　بے زبان گوید سخن بس قیل و قال

(بقولِ حضرت سلطان باھوؒ)

عشق جنہاں دا ہڈیں رچیا اوہ رہندے چُپ چُپاتے ہو　　　لوں لوں دے وچ لکھ زباناں اوہ پھردے گنگے باتے ہو

اوہ کردے وضو اسم اعظم دا تے دریا وحدت وچ ناتے ہو　　　تدوں قبول نمازاں باھوؒ جد یاراں یار پچھاتے ہو

مطلب یہ ہے۔کہ! عارفِ کامل پرسکوت وسکون کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے۔کیونکہ! آہ وزاری اورحرکاتِ اضطرابی اسی وقت تک دامن گیر رہتے ہیں۔جب تک کہ مطلوب (حقیقی) کا وصال حاصل نہیں ہوتا۔جب طالب کومطلوب مل جائے۔تو لازمی امر ہے۔کہ! جوآہ وفغاں اور جوحرکاتِ مضطربانہ طلب کی حالت میں اسے دامنگیر رہتے ہیں۔ان سب کا سلسلہ یکسرختم ہوکر حالت دگرگوں ہوجائے۔اور بجائے آہ وبکا اورقلق واضطراب کے اسے نہایت دل جمعی کے ساتھ سکوت وسکون حاصل ہوجائے۔جبھی تو عارفِ کامل صحیح معنوں میں شہنشاہ ہوجاتا ہے۔اُسے بجز ذاتِ خداوندی کے نہ کسی سے اُمید ہوتی ہے۔اور نہ ہی کسی کا ڈر۔اور ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشادِ باری تعالٰی ہے۔کہ! **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ۔ (یعنی کہ! اولیاء اللہ کو نہ کسی کا خوف ہوتا ہے۔اور نہ ہی کسی کا حزن) عارفِ کامل کی حالت یادِالٰہی سے بھی گذر جاتی ہے۔اے عمرؓ! یقین جانو۔کہ جب تک سالک اپنے دل سے غیراللہ کے وجود کو نہ نکال دے۔تب تک (وہ سالک) ایک قدم بھی عرفان کی منزل پر نہیں رکھ سکتا۔اور نہ ہی وہ عارفِ کامل بن سکتا ہے۔کیونکہ! یادِالٰہی بھی ایک قسم کی دوئی ہے۔اور دوئی عارفین کے نزدیک عین کفر ہے۔یہ ہے کلمہ طیبہ کی حقیقت۔ (بقولِ شاعر)

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے　　　لوحِ مزار پر مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہاں کی　　　خطرہ جو ہے سو آئینہ دل پہ زنگ ہے

بقولِ شاعر　　　بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

بقولِ شاعر　　　عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق　　　عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات

جب تک (سالک و طالبِ صادق) اس حقیقت تک نہ پہنچے۔اس وقت تک ایک طالب سچا موحد بن ہی نہیں سکتا۔اور وہ اپنے دعوائے موحدیت میں سراسر دروغ گو ہے۔ (درحقیقت عشقِ الٰہی ہی بندے کو موحد بنا سکتا ہے۔جیسا کہ بقولِ حضرت سلطان باھوؒ!)

ایمان سلامت ہر کوئی منگے اَتے عشق سلامت کوئی ہو　　　منگن ایمان شرماون عشقوں میرے دل نوں غیرت ہوئی ہو

جس منزل نوں عشق پچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو　　　میرا عشق سلامت رکھیں باھوؒ ایمان نوں دیواں دھروئی ہو

حضرت سلطان باھوؒ مزید فرماتے ہیں۔کہ!

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں ، عالم ہوئے بھارے ہو　　　اِک حرف عشق دا پڑھن نہ جانن، بُھلے پھرن بچارے ہو

اِک نگاہ جے عاشق دیکھے، لکھ ہزاراں اترے ہو　　　لکھ نگاہ جے عالم دیکھے، کسے نہ کدھی چاہڑے ہو

آٹھ گھاٹیاں : وحدتِ الٰہی کے فہم ،حصولِ قربِ الٰہی ولایت کے حصول میں یہ وہ آٹھ وادیاں ہیں۔جو سالک کو راہ سلوک میں پیش آتی ہیں۔جنہیں حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب **منطق الطیر** میں بیان فرمایا ہے۔وہ آٹھ وادیاں یہ ہیں۔

وادیءطلب۔ وادیءعشق۔وادیءمعرفت۔ وادیءاستغناء۔ وادیءتوحید۔ وادیءحیرت۔وادیءفقر ۔وادیءفناءفناء۔

اِن آٹھوں گھاٹیوں کودل سے طے کرنا ہوتا ہے۔نہ کہ پاؤں سے۔ (یعنی) ان تمام مقامات ،فصیلوں ،منازل اور وادیوں سے پیرکامل کی معاونت واستمداد کے بغیر پار نکلنا محض ایک خیال بلکہ محال و ناممکن ہے۔اگر بفضلہٖ تعالٰی کوئی مردِخدا مل جائے۔تو اِن تمام مشکلات ومصائب سے بآسانی نکلنا سہل ہوجائے گا۔ورنہ

رخصت۔۔۔ خدا حافظ۔ مریدِ صادق اپنے مرشدومربی کے ارشاد کے مطابق کمرِ ہمت کو چست کر کے روانہ ہونا ہے۔(بقولِ شاعر)

دریں دریائے بے پایاں ، دریں طوفانِ موج افزا دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا

(اِس دریائے بے پایاں اور شدت سے موجیں مارتے ہوئے طوفان میں ہم ''**بسم اللہ مجریھا و مرسھا**'' کہہ کر دل پھینکتے ہیں۔یعنی ہم جو یہ خطرناک سفر شروع کرتے ہیں۔تو بس صِرف وہی اپنے عظیم ترین فضل وکرم سے ہی اس بیڑے کو چلانے والا اور منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے)

عشق عقل وچ منزل بھاری سئیاں کوہاندے پاڑے ہو جنہاں عشق خرید نی کیتا باہوؒ، قوہ دوہیں جہانیں مارے ہو

پیر کامل کی معاونت سے طالبِ صادق جب یہ مقامات ومنازل طے کرتا ہوا معرفت میں پہنچ کر جب آنکھ کھولی۔اور بغور دیکھا۔تو اول وآخر، ظاہر وباطن ، حاکم ومحکوم، بادشاہ ووزیر، پیرومرید، منزل ومقام میں وہی خود تھا۔اُس کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا۔ **فھم من فھم۔**

عشق دا رتبہ عشق ہی جانے سمجھ سکے نہ لوگ سیانے

نماز کی حقیقت : آنحضور پرنور ﷺ نے ارشادفرمایا ہے۔کہ! **لا صلوٰۃ الا بحضور القلب** ۔(یعنی کہ! نہیں ہے۔وہ نماز نماز،مگر حضورِ قلب کے ساتھ) یعنی نمازِ حقیقی ہی سے مومن کامل اور عارفِ الٰہی کو دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے۔نیز حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔نماز دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نماز علماء،فقہاء،ظاہری (لوگ) اور زاہدانِ خشک کی۔جو کہ صرف قول وفعل تک ہی محدود ہوتی ہے۔اور اس سے وصالِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے۔ کہ! اس کی رسائی بھی صرف عالمِ ملکوتِ انسانی تک ہی محدود رہتی ہے۔(جبکہ) دوسری نماز انبیاءؑ ،اولیاءاللہ اور خلفاء(صاحبانِ طریقت) کی۔جو حضورِ قلب سے ادا کی جاتی ہے۔(اور) اس کا ثمرہ وصالِ الٰہی ہے۔اور اس (نماز) کی رسائی عالمِ جبروتِ رحمانی تک ہوتی ہے۔(بقولِ حضرت سلطان باہوؒ!)

باجھ حضوری نہیں منظوری ، توڑے پڑھن بانگ صلاتاں ہو
روزے نفل نماز گزارن ، توڑے جاگن ساریاں راتاں ہو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے ، توڑے کڈھن سے زکاتاں ہو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں باہوؒ ناں تاثیر جماعتاں ہو

اے عمرؓ ! نمازِ حقیقی دراصل یہی رحمانی نماز ہے۔نہ وہ نماز، جو عوام الناس ظاہری طور پر بلا حضورِ قلب ادا کرتے ہیں۔(کیونکہ) یہ نماز (محض) نفسانی ہے۔رحمانی نہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔کہ! **من صلی صلوٰۃ طویلۃ فی المسجد و زین البدن بالعمامۃ فی ناظر الخلائق وما کان فی قلب من عجز فھو محجوب ولا صلوٰۃ ولا وصال** ۔یعنی کہ! علمائے ظاہر پرست اور صوفیانِ ریاکار خوب جبہ ودستار باندھ کر ظاہری شان وشوکت اور ٹاٹھ باٹھ بنا کر محض ریاءکاری کی نماز پڑھتے ہیں۔اُن کے نفس مغروری اور خود پسندی کی قصرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔اُن کی نماز بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے۔کیونکہ یہ لوگ تو نفس کے بندے (نفسانی خواہشات کے غلام) ہیں۔اور نفسانی آدمی دراصل شیطان بقالبِ انسان ہوتا ہے۔اور شیطان بالاتفاق کافر وگمراہ ہے۔پس نتیجہ یہ برآمد ہوا۔کہ ایسے لوگ درحقیقت گمراہ اور کافر ہیں۔(فقیر ناچیز عبدالرؤف البلوشی کا اس ضمن میں یہ خیال ہے۔کہ! ایسے گمراہ لوگوں کو چاہیئے۔کہ! کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں رہ کر اپنے دل کو غرور وتکبر اور نفسانیت کے خس وخاشاک سے پاک صاف کریں۔اور معرفتِ الٰہی سے اسے معمور وآباد بنا دیں۔تاکہ وہ صحیح معنوں میں انسان سے مسلمان پھر مسلمان سے مومن بن جائیں۔اور گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر آجائیں۔جبھی تو اُن کی نماز حقیقت میں نمازِ حقیقی ہوگی۔اور یہی نماز بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کے قابل ہوگی۔اگر خوش قسمتی سے ایسا حقیقی نمازی ہزاروں لاکھوں میں ایک آدھ بھی مل جائے۔تو اس کی خدمت وصحبت اکسیرِ احمر سے بدرجہا بہتر وبالاتر ہے)

یہ گمراہ لوگ دراصل بت پرست ہیں۔اور پھر تعجب ہے۔کہ! یہ اپنی بت پرستی پر نازاں بھی ہیں۔اور وہ لوگ بھی عجیب کور باطن اور نادان ہیں۔جو ایسے ریاکاروں کو نمازی شمار کرتے ہیں۔ایسی بےحقیقت (اور بےحضور) نماز کا کیا فائدہ۔(حدیثِ قدسی) **الانبیاء والاولیاء یصلون فی قلو بھم دآئمون** ۔یعنی کہ! انبیاءؑ واولیاء ہمیشہ حضورِ قلب سے نماز پڑھتے ہیں۔(یعنی حقیقی نماز پڑھتے ہیں)

حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔کہ! **صلوٰۃ الانبیاء والاولیاء حبس الحواس وعدد الانفاس** ۔یعنی کہ! انبیاءؑ واولیاء کی نماز درحقیقت وہ نماز ہوتی ہے۔کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔تو ہر وقت اُن کے حواسِ خمسہ غیراللہ سے بند ہو جاتے ہیں۔اور اُن کا ایک ایک سانس یادِ الٰہی میں گذرتا ہے۔وہ اپنے ایک ایک سانس کا خیال وشمار رکھتے ہیں۔کہ کہیں غفلت میں نہ گزر جائے۔یہی لوگ درحقیقت (حقیقی) نمازی ہیں۔

(بقول البلوشی) دورانِ نماز اور دورانِ کسی عبادت بندہ خود کو ریا سے محفوظ رکھنے اور عبادت میں پختگی کی خاطر حدیثِ نبوی ﷺ درضمن ''احسان'' کو ہمیشہ یاد رکھے۔حدیث تو کچھ طویل ہے۔مگر احسان کے بارے میں حدیثِ نبوی ﷺ کا مختصر سا حصہ یہاں بطور حصولِ سعادت پیش کیا جاتا ہے۔قارئینِ کتاب ہذا ملاحظہ فرمائیں۔کہ! صحیح بخاری شریف، جامع ترمذی شریف، سنن ابنِ ماجہ اور سنن نسائی شریف میں آیا ہے۔کہ! کسی نے پوچھا۔کہ! یارسول اللہ ﷺ ! احسان کیا ہے ؟ (تو) نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔کہ! احسان یہ ہے۔کہ! تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح سے عبادت کرو۔گویا کہ تم اسے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) دیکھ رہے

ہو۔ ورنہ یہ عقیدہ لازماً رکھو۔ کہ اگر تم اسے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) نہیں دیکھتے۔ تو وہ تمھیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح سے مسند احمد کی ایک اور حدیث ہے۔ کہ! کسی شخص نے انحضور نبی مکرم ﷺ سے پوچھا۔ کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا۔ کہ! تم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوئی (بھی نیک) عمل اس طرح کرو۔ گویا کہ تم اسے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) دیکھ رہے ہو۔ اگر تم یہ تصور نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم یہی تصور کرلو۔ کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔ ایک اور انتہائی مشہور و معروف حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔ کہ! **الصلوٰۃ معراج المؤ من** ۔ یعنی نماز تو (در حقیقت) مومن کی معراج ہے۔ سبھی کو معلوم ہی ہے۔ کہ! معراج میں آنحضور نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یعنی نماز جیسی عبادت مومن کے لئے بمنزلہ معراج ہے۔ کہ! وہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اُس سے ملاقات کرتا ہے۔ اور اُس عظیم المرتبت ذاتِ اقدس کا دیدار حاصل کرتا ہے۔

اے عمرؓ! نمازِ حقیقی رحمانی ہے۔ اسی نماز سے پروردگارِ عالم سے وصال حاصل ہوتا ہے۔ اے عمرؓ! انبیاءؑ و اولیاء ہمیشہ ذکرِ خفی میں رہتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **ذکر اللسان لقلقۃ و ذکر القلب وسو سۃ و ذکر الروح مشاھدۃ و ذکر الخفی دآئما** ۔ یعنی کہ! زبانی ذکر گویا لقلقہ ہے۔ قلبی ذکر ایک قسم کا وسوسہ ہے۔ اور روحانی ذکر مشاہدہ الٰہی کا موجب ہے۔ اور ذکر خفی ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

اے عمرؓ! ذکر خفی اور نمازِ حقیقی ترکِ وجود ہے۔ (جبکہ) عابدوں کی نماز سجدہ سجود پر مبنی ہے۔ (بقولِ شاعر)

نمازِ زاہداں سجدہ سجود اَست — نمازِ عاشقاں ترکِ وجود اَست

روزہ کی حقیقت : اے عمرؓ! روزہءِ حقیقی کی تعریف یہ ہے۔ کہ! انسان اپنے قلب کو تمام دینی و دنیوی خواہشات سے بند رکھے۔ کیونکہ خواہشاتِ دینی (جیسے کہ حصول بہشت وحور وغیرہ) عبد اور معبود کے مابین حجاب (رکاوٹ) ہیں۔ اُن کے (دل و دماغ) میں ہوتے ہوئے بندہ (یعنی طالبِ صادق و سالکِ حق) اپنے معبودِ حقیقی کا وصال حاصل نہیں کر سکتا۔ اور خواہشاتِ دنیوی (جیسے کہ! خواہشِ جاہ و مال، مقام و مرتبہ یا خواہشاتِ نفسانیہ، نسوانیہ و شھوانیہ وغیرہ) تو سراسر شرک (ہی) ہیں۔

(کیونکہ) غیر اللہ کی طرف فکر و خیال کرنا، قیامت کا خوف، بہشت کی ہوس اور آخرت کی فکر۔۔۔ یہ سب روزہءِ حقیقی کو توڑنے والی چیزیں ہیں۔ روزہءِ حقیقی (تو) تب ہی درست رہ سکتا ہے۔ جبکہ انسان (یعنی طالبِ صادق و سالکِ حق) اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے فراموش کر دے۔ یعنی غیر اللہ کا (تو) اُسے مطلق علم (ہی) نہ رہے۔ اور ہر قسم کی اُمیدیں اور ہر طرح کا خوف اپنے دل سے نکال ڈالے۔ حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ! **رغبت عما دون اللہ** ۔ یعنی کہ! اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے کسی چیز کا دیدار مطلوب نہیں ہے۔ روزہءِ حقیقی کا افطار (تو) صِرف دیدارِ الٰہی (ہی سے ممکن) ہے۔ (اور) حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ! **صوموا برؤ یتہٖ وا فطروا برؤ یتہٖ** ۔ یعنی کہ! (اے عمرؓ!) روزہءِ حقیقی کی ابتداء (یعنی سحری) بھی دیدارِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ اور انتہاء (یعنی افطار) بھی دیدارِ الٰہی پر ہو گی۔ اے عمرؓ! روزہءِ حقیقی کی ابتداء و انتہاء بخوبی ذہن نشیں کر لینی چاہیئے۔ یعنی جاننا چاہیئے۔ کہ! روزہءِ حقیقی کس چیز سے رکھا جاتا ہے۔ اور کس چیز پر افطار کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہو۔ کہ! روزہءِ حقیقی کی ابتداء یہ ہے۔ کہ! انسان بتدریج معرفت الٰہی حاصل کر لے۔ اور اس کی انتہاء (یعنی افطار) یہ ہے۔ کہ! قیامت میں اُسے دیدارِ الٰہی نصیب ہو۔ (بقولِ مولائے رومؒ)

مارا نہ غمِ دوزخ و نے حرصِ بہشت اَست — بر دارِ زِ رُخ پردہ کہ مشتاقِ لقائیم

حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ **لصآئم فرحتان. فرحۃ الافطار و فرحۃ عند لقاء ربہٖ** ۔ یعنی کہ! روزہ دار کے لئے دو خوشیاں (فرحتیں) ہیں۔ ایک افطار کی فرحت اور دوسری دیدارِ الٰہی (لقاء) کی فرحت۔ اے عمرؓ! عوام کے روزہ میں پہلے روزہ ہے اور آخر میں افطار۔ لیکن روزہءِ حقیقی میں اول افطار ہے۔ اور آخر میں روزہ ہے۔ دیکھو مجذوب سالک، جو کہ (در حقیقت) خدا رسیدہ ہیں۔ وہ ہمیشہ روزہ دار (یعنی صائم الدہر) رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی اُن کا افطار نہیں ہوتا۔ کیونکہ! روزہءِ حقیقی کے لئے افطار شرط نہیں۔ یعنی واصلانِ الٰہی کے لئے یہ شرط نہیں۔ کہ کبھی روزہ رکھو۔ اور افطار کرو۔ وہ (تو) ہمیشہ ہی روزہ دار رہتے ہیں۔

اے عمرؓ! تمام لوگ جو روزہ رکھتے ہیں۔ جن میں کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کرنا پڑتا ہے۔ یہ حقیقی روزہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ (تو) روزہءِ مجازی ہے۔ (کیونکہ) فناء کے (تو) معنی ہیں۔ کہ اسرارِ الٰہی اُن کو حاصل نہیں ہوئے۔ وہ (تو) زینتِ ظاہری میں مبتلا ہوئے۔ اور حقیقت سے بے بہرہ۔ لیکن اس مجازی روزہ میں غیر اللہ کا ترک نہیں ہوتا۔ اور تمام خطراتِ نفسانی و انسانی اس میں حائل ہوتے رہتے ہیں۔ (یاد رہے۔ کہ) ایسے روزہ داروں کے قول و فعل سب غیر اللہ ہیں۔ ایسا روزہ (یعنی مجازی) ہرگز ہرگز حقیقی اور رحمانی روزہ نہیں ہو سکتا۔ اس ظاہری و مجازی روزہ سے بجز اُس کے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ کہ انسان روزہ رکھ کر ناداروں اور مفلسوں کی بھوک اور پیاس کا احساس کر سکے۔ اور غریبوں اور مسکینوں کی امداد کر سکے۔ اس کے سوا اس ظاہری روزہ سے اور کیا فائدہ متصور ہو سکتا ہے۔

حضراتِ صوفیہ کا یہ قول بہت مشہور و معروف ہے۔ کہ! **من لا شیخ لہ لا دین لہ ومن لا دین لہ لا عرفان لہ ومن لا عرفان لہ لا حز ب لہ لا انس لہ ومن لا انس لہ لا مولٰی لہ** ۔ یعنی کہ! جس کا کوئی شیخ نہیں اس کی کوئی دین نہیں ہوتا۔ اور جس کا کوئی دین نہیں وہ عرفانِ الٰہی سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اور جس کو معرفت حاصل نہیں (تو) اُس کو بھلا کیسے کسی صحیح جماعت سے تعلق ہو سکتا ہے۔ اور جس کا کسی صحیح جماعت سے تعلق نہیں۔ اس کا کوئی مونس

(یعنی غم خوار) نہیں ہوتا۔ اور جس کا کوئی غمخوار نہیں تو بھلا اس کا کوئی یار دوست کیسے ہوسکتا ہے۔ (ایک اور حدیث ہے۔ کہ!) **ان اولیائی تحت قبآئی لا یعرفھم غیری**۔ یعنی کہ! میرے اولیاء (دوست) میری قباء کے نیچے ہیں۔ اُن کے مرتبہ کو مَیں ہی جانتا ہوں۔ اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اے عمرؓ! سالکانِ غیر مجذوب بجز شیخ (یعنی کامرشد کامل) کی صحبت کے معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہوسکتے۔ اور نہ ہی اصلاحِ باطنی کے بغیر عالمِ جبروت تک اُن کی رسائی ہوسکتی ہے۔ وہ عالم ناسوت وملکوت میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ شہوت پرست اور طالبِ شہرت ہیں۔

اے عمرؓ! جو علماء، فقہاء اور سالکین غیر مجذوب ہیں۔ اور وہ مرشد کامل کے فیضِ صحبت سے مستفیض نہیں ہوئے۔ وہ جذبہ اسرارِ الٰہی سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہ لوگ دنیوی زیب و زینت اور شہوتِ نفسانی کے پیچھے پیچھے مارے پھرتے ہیں۔ گویا کہ وہ (تو) جبہ و دستار اور صوفیائے کبار کے جامہ میں ملبوس ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اُن کی اندرونی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ! وہ حرص و ہوا دنیوی اور خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اُن کا مقصود اس جامہء فقیری سے خدا پرستی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سراسر طالبِ جاہ و مال ہوتے ہیں۔ اُن کا کلمہ و نماز اور روزہ (بھلا) کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ جو شخص محقق سالکین کے زمرے میں داخل ہو جائے۔ اور معرفتِ الٰہی میں پایہء کمال تک پہنچ جائے۔ اُس پر فرض و لازم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہستی اور خودی کو یکسر مٹا دے۔ (بقول شاعر)

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے   کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

جو (بھی) لوگ اپنی خودی کو نہیں مٹاتے۔ خواہ وہ صوفیانہ جامہ میں ملبوس (ہی کیوں نہ) ہوں۔ لیکن وہ لوگ قطعاً منزلِ عرفان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ انسان معرفتِ الٰہی کی منزل تک اس وقت پہنچ سکتا ہے۔ جب کہ وہ اپنی ہستی اور خودی کو یکسر فراموش نہ کر دے۔ اور محض ذاتِ الٰہی اور اس کا ہردَم مطلوب ہو۔

زکوٰۃ کی حقیقت: اے عمرؓ! سنو۔ از روئے شریعت دوسو دینار میں سے پانچ دینار (یعنی سوپرڈھائی) زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اور اہلِ طریقت کے نزدیک دوسو دینار میں سے پانچ دینار اپنے پاس رکھنے چاہئیں۔ باقی سب کے سب مدِّ زکوٰۃ میں صَرف کر دینے لازم ہیں۔ لیکن یاد رہے۔ کہ! زکوٰۃ آزاد شخص پر تو لازم و فرض ہے۔ مگر غلام پر نہیں۔ جب تک بندہ بندگیء نفس سے نجات نہ پائے۔ اُس وقت تک آزاد (لوگوں) کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور جب (کوئی شخص) آزاد ہی نہیں ہوا تو اُس پر زکوٰۃ اکیونکر فرض ہوسکتی ہے۔ (لہذا) بندہء نفس کو سب سے پہلے بندگیء نفس سے آزادی و نجات حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ زکوٰۃِ حقیقی ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

نیز زکوٰۃ (ہر) عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ (لیکن غلام) دیوانہ و نابالغ پر فرض نہیں ہے۔ پس جس شخص پر غفلت و نفسانیت کا بھوت (دیو) سوار ہو۔ اور وہ ہمہ تن نفس و شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ (ایسا شخص) عارفانِ الٰہی کے نزدیک عاقل و بالغ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ (تو) ایک نابالغ شیرخوار بچے کی مانند ہے۔ اور اہلِ معرفت کے نزدیک وہ کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃِ حقیقی کیسے لازم ہوسکتی ہے۔ پس سب سے پہلے یہ لازم ہے۔ کہ بندہء نفس نفسانیت کی بے شعوری سے نجات حاصل کرلے۔ تاکہ وہ معرفتِ الٰہی کی آزادی اور عقل سے سرفراز ہوکر حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

زکوٰۃِ ظاہری، جو شرعاً مالِ دنیوی پر فرض ہوتی ہے۔ اُس میں محض یہ حکمت ہے۔ کہ امیر لوگ زکوٰۃ کے بہانے سے غریبوں اور مفلسوں کی معاونت کرسکیں۔ اور غرباء اپنے خورد و نوش کا انتظام سہولت و آسانی سے کرسکیں۔

اے عمرؓ! بجز عارفانِ الٰہی کے گنجِ حقیقی کی کسی کو خبر نہیں ہے۔ گنجِ حقیقی دراصل سرِ ربوبیت ہے۔ اور عارفین کے دل میں سرِ ربوبیت کے گنجینے ہوتے ہیں۔ اِن عرفاء پر فرض ہے۔ کہ! وہ اپنے گنجینہء حقیقی سے اسرارِ الٰہی کی زکوٰۃ گمراہوں اور نادانوں کو عطا فرمائیں۔ اور گم گشتگانِ بادیہء ضلالت کی رہنمائی فرمائیں۔ کیونکہ! مستحق کو اُس کا (حق) دینا عین زکوٰۃ ہے۔

طلب طلب ہے، مگر دَور بد نصیب سا ہے   کہ خواجگی تو رہی، بندہ پروری نہ رہی

ایک ضروری وضاحت: (اس ضمن میں یہ ناچیز ذرہء حقیر عبدالرؤف البلوشی قارئینِ کتاب ''**اسرارِ محبوب** (کامل)'' کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔ کہ! عارفین الٰہیہ زکوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ! صاحبِ شریعت، صاحبِ طریقت، صاحبِ معرفت اور صاحبِ حقیقت (گویا کہ) ہر ایک کی ادائیگیء زکوٰۃ میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ جن کی مختصر مگر جامع تفصیل یہ ہے۔

☆ **صاحبِ شریعت پر لاگو زکوٰۃ کی مقدار**: صاحبانِ شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے۔ کہ! صد میں سے ڈھائی کی زکوٰۃ ادا کرے۔ بقایا % 97.5 اپنے پاس رکھے۔ اور فقہ بھی ہمیں زکوٰۃ کے ضمن میں یہی درس دیتا ہے۔

☆ **صاحبِ طریقت پر لاگو زکوٰۃ کی مقدار**: صاحبانِ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے۔ کہ! صد میں سے پچاس فیصد کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور بقایا پچاس فیصد اپنے پاس رکھے۔ یعنی آدھا حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور آدھا حصہ اپنی ضروریات کے لئے رکھے۔

☆ **صاحبِ معرفت پر لاگو زکوٰۃ کی مقدار**: صاحبانِ معرفت کی زکوٰۃ یہ ہے۔ کہ! صد میں سے % 79.5 کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور بقایا ڈھائی کو اپنے پاس رکھے۔

☆ **صاحبِ حقیقت پر لاگو زکوٰۃ کی مقدار**: صاحبانِ حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے۔ کہ! صد میں صد ہی کو زکوٰۃ ادا کرے۔ بقایا اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے۔ اور یہی طریقہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے منسوب و منقول ہے۔ کیونکہ وہ قلندرِ اعظمؓ اور امام الاولیاءؓ ہیں۔ اور انہیں

کی پیروی و اطاعت کرتے ہوئے تمام اولیائے عظام آج تک بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔
علمائے محدثین ومفسرین کے مطابق آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے اپنی مکمل حیاتِ طیبہ میں کبھی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ کیونکہ! آپ ﷺ کے پاس کبھی اتنا مال موجود ہی نہ رہا۔ کہ! جس پر آپ ﷺ زکوٰۃ ادا فرماتے۔ ارا کینِ اسلام کا واحد رکن، جو کہ آنحضرت ﷺ ادا نہ کرسکے۔

حج کی حقیقت : اے عمرؓ! یقین جانو۔ کہ! خانہء کعبہ انسان کا دل ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ کہ! **قلب الانسان بیت الرحمان** ۔ یعنی کہ! انسان کا دل دراصل رحمان کا گھر (خانہ کعبہ) ہے۔ بلکہ ایک اور جگہ آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ! **قلب المؤ من عرش الله** ۔ یعنی کہ! مومن کا دل عرشِ الٰہی ہے۔ (بمصداق آیتِ قرآنی **و فی انفسکم افلا تبصرون** ۔ اے لوگو! میں تمھارے اندر ہوں۔ پھر تم مجھے کیوں نہیں دیکھتے) پس چاہیئے۔ کہ! کعبہ (یعنی کعبہء دل) کا حج کرنا چاہیئے۔ (بقولِ شاعر)

طوافِ کعبہء دل کن اگر دلے داری — دلے است کعبہء اعظم تو گل چہ پنداری
زِ عرش و کرسی و لوح وقلم فزوں باشد — دلے خراب کہ اورا ہیچ نہ شماری

(بقولِ شاعر) قلب از نورِ وحدت گشت پیدا — نہ از مادر و پدر باشد ہو یدا
نہ از باد و آتش آب و خاکی — قلب نور یست قدرت شد زِ پاکی

(بقولِ مولائے رومؒ) دل بدست آور کہ حج اکبر اَست — اَز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر اَست
کعبہ بنگاہِ خلیل آذر اَست — دل گذر گاہِ جلیلِ اکبر اَست
دل کعبہء اعظم اَست بکن خالی اَز بُتاں — بیت المقدس اَست مکن جائے بتگراں

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کعبہء دل کا حج کس طرح کرنا چاہیئے۔ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ انسان کا وجود جو بمنزلہ ایک چاردیواری کے ہے۔ اگر اس چاردیواری میں سے شک و وہم غیر اللہ کا پردہ دور کر دیا جائے۔ تو دل کے صحن میں اللہ تعالٰی کی ذات کا جلوہ (صاف طور سے) نظر آئے گا۔ (کیونکہ) حض خانہ کعبہ کا (بھی) یہ مقصد ہے۔ (بقولِ شاعر)

دل کعبہء اعظم اَست بکن خالی اَز بُتاں — بیت المقدس اَست مکُن جائے دیگراں

نیز ایسا حقیقی حج کرنے سے یہ بھی مقصود ہے۔ کہ انسان اپنی خودی وہستی کو اس طرح مٹا دے۔ کہ ہستی کا ذرہ بھر بھی باقی نہ رہے۔ حتی کہ ظاہر و باطن یکساں و پاکیزہ ہوجائے۔ اور دل صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ حضور ﷺ! اپنی ہستی کو فنا کیوں کر حاصل ہوسکتی ہے۔ (تو) حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ! محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالٰی پر عاشق ہونے سے۔ (کیونکہ) جو شخص عاشقِ الٰہی ہوگیا۔ وہ فنا فی اللہ ہوگیا۔ اور جو فناء فی اللہ ہوگیا۔ وہ ذاتِ حق کا مظہر ہوگیا۔

(بقول البلوشی) حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے متعلق ایک روایت ہے۔ کہ! اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا۔ کہ! اے موسیٰؑ! بنی اسرائیل سے کہہ دو۔ کہ! میرے کسی گھر میں (اُس وقت تک) داخل نہ ہوں۔ مگر اس حالت میں کہ! ان کے قلوب ڈر رہے ہوں۔ آنکھیں جھکی ہوئی، بدن صاف اور نیتیں سچی ہوں۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا۔ کہ (یا) حضرت ﷺ! قلب کو بیت الرحمان اور عرشِ الٰہی کیوں قرار دیا گیا ہے؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب دیا۔ کہ ارشاد باری تعالٰی ہے۔ کہ! **و فی انفسکم افلا تبصرون** ۔ یعنی کہ! (اے لوگو!) میں تمھارے اندر ہوں۔ پھر تم لوگ مجھے کیوں نہیں دیکھتے۔ اے عمرؓ! رہنے کی جگہ کو گھر کہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالٰی قلب میں رہتا ہے۔ لہذا دل خانہء خدا اور عرشِ الٰہی قرار دیا گیا۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا۔ کہ! یا رسول اللہ ﷺ! اس خاک کے پتلے میں بولنے والا، سننے والا، جاننے والا اور دیکھنے والا کون ہے؟ اور کیسا ہے؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ کہ! وہی (اللہ تعالٰی) بولنے والا ہے۔ وہی (اللہ تعالٰی) سننے والا ہے۔ وہی (اللہ تعالٰی) دیکھنے والا ہے۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا۔ کہ! یا رسول اللہ ﷺ! ذاتِ خاص حضرت چہ باشد؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ کہ! **انا احمد بلا میم** ۔ یعنی کہ! میں (درحقیقت) احمد ہوں بنا میم کے۔

(یہ دو احادیث غالبًا ضعیف یا موضوع بھی ہیں۔ **انا احمد بلا میم** ۔ اور **انا عرب بلا عین** ۔) واللہ اعلم بالصواب۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا۔ کہ! یا رسول اللہ ﷺ! کعبہء دل کا حج کون ادا کرتا ہے؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ کہ! خود ذاتِ خداوندی۔ یعنی جب بندہ (اپنی ذات سے) بندگیء نفس کا پردہ دور کر دیتا ہے۔ اور عبد و معبود کے مابین کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ تو وہ (خوش نصیب شخص) صفاتِ الٰہی سے متصف ہوجاتا ہے۔ اور اس کے دل میں ذاتِ الٰہی کے

اوصاف سمائے ہوئے ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے دل میں سمانا ہی کعبۂ دل کا حج (حجِ حقیقی) ہے ۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا ۔ کہ ! یا رسول اللہ ﷺ ! جب سب کچھ اسی ذاتِ مقدسہ کا ظہور ہے ۔ تو پھر یہ رہنمائی کس کو اور کیوں کرہے ؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ کہ ! وہ خود ہی رہنما ہے ۔ اور خود اپنی ہی رہنمائی کرتا ہے ۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا ۔ کہ ! یا رسول اللہ ﷺ ! پھر یہ گونا گون نقش و نگار کیوں ہیں ؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ کہ ! رہنمائی کی مثال سوداگر کی سی ہے ۔ کہ جس چیز کا کوئی گاہک ہو ۔ سوداگر اس کو وہی چیز دیتا ہے ۔ گیہوں کے خریدار کو جَو ہرگز نہیں دیئے جاتے ۔ اور نہ ہی جَو کے خریدار کو گیہوں دیئے جاتے ہیں ۔

اے عمرؓ ! پیغمبروں کی مثال ایسی ہے ۔ جیسے اطباء یعنی جس طرح طبیب (کسی) مریض کی طبیعت اور مرض کے موافق دوا دیتا ہے ۔ اور اسی موافق طبع دواء کے اس مریض کو شفاء حاصل ہوتی ہے ۔ اسی طرح پیغمبر بھی روحانی ایمانداروں کو ان کی باطنی استعداد اور روحانی امراض کے موافق دوائے معرفت عطا فرماتے ہیں ۔ جس کی بدولت مریض روحانی شفائے کلی پا کر عارفِ الٰہی بن جاتا ہے ۔

اے عمرؓ ! سالکانِ طریقت چار گروہوں میں منقسم ہیں ۔ اور ان چار گروہوں میں بلحاظِ مراتب و استعداد باطنی زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

☆ پہلا گروہ عوام العالم میں عام مسلمانوں کا ہے ۔ یہ لوگ اربابِ ظاہر کہلاتے ہیں ۔ اور راہِ شریعت پر چلنے والے ہیں ۔ عشقِ الٰہی کی چار سیڑھیوں میں سے پہلی سیڑھی پر اہلِ شرع گامزن ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر اسی سیڑھی پر رہیں ۔ (اور) اگلی سیڑھیوں پر چلنے کی سعی نہ کریں ۔ حتیٰ کہ ان کی عمریں ختم ہو جائیں ۔ تو یہ لوگ دین و دنیا سے محروم اور ظاہر پرست ہو کر مر جاتے ہیں ۔ یہ گروہ اہلِ شریعت کا کہلاتا ہے ۔ (بقولِ شاعر)

نہ ہی خدا ملا نہ وصالِ صنم ۔۔۔۔۔۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

☆ دوسرا گروہ عوام الخاص کا ہے ۔ ان لوگوں میں دو پہلو پائے جاتے ہیں ۔ عوام کا بھی اور خواص کا بھی ۔ یہ گروہ روحانیت کی طرف متوجہ تو ہوتا ہے ۔ لیکن چونکہ باطنی رموز سے بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ کبھی دنیا کے طالب ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ان کی باطنی آنکھیں نورِ باطنی سے مکمل طور پر منور نہیں ہوتیں ۔ اس گروہ کو اہلِ طریقت کہا جاتا ہے ۔ ☆ تیسرا گروہ اہلِ معرفت کا ہے ۔ ☆ چوتھا گروہ اہلِ حقیقت کا ہے ۔

(بندہ ء ناچیز عبدالرؤف البلوشی قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہے ۔ کہ ان چاروں گروہوں کا کچھ ذکر پیچھے گزر چکا ہے ۔ اور مزید کچھ ذکر آگے بھی آ رہا ہے ۔ تاکہ سالکین و طالبینِ حق کی تشنگی کا درماں ہو سکے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ)

اے عمرؓ ! ہدایت و رہنمائی طالب کی استعداد اور جنس کے موافق ہوا کرتی ہے ۔ یہ اسرارِ الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ ' نا اہل عوام الناس کو نہیں دی جاتی ۔ کیونکہ ان کو ایسی نعمت دے دینا اس نعمت کی ناقدر شناسی ہے ۔ نیز چونکہ وہ اس نعمت کے متحمل (بھی) نہیں ہو سکتے ۔ لہٰذا اُن کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے ۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا ۔ کہ ! یا رسول اللہ ﷺ ! ذاتِ رحمان کیا ہے ؟ اور دیگر اشیاء کیا ہیں ؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ کہ ! تمام اشیاء مظہرِ خدا ہیں ۔ درحقیقت سب ایک ہی ہیں ۔ ظہور کی صفات مختلف ہیں ۔ جیسا کہ مطلب ایک (ہی) ہوتا ہے ۔ اور اُس کو مختلف عبارتوں سے ادا کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح ذات صرف ایک ہی ہے ۔ لیکن اُس کے ظاہر مختلف ہیں ۔ ارشادِ خداوندی ہے ۔ کہ ! **ان اللــہ عـلـٰی کل شیءِ محیط** ۔ یعنی کہ ! بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط کیئے ہوئے ہے ۔ لیکن انسان کو دیگر جمیع مخلوقات پر شرف و بزرگی حاصل ہے ۔ **ان اللہ خلق ادم علٰی صورتہٖ** ۔ یعنی کہ ! اللہ تعالیٰ نے آدم (یعنی مخلوقِ انسانی) کو اپنی صورت پر پیدا کیا ۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا ۔ کہ ! یا رسول اللہ ﷺ ! جب انسان اشرف المخلوقات ٹھہرا ۔ تو پھر اُس میں خاص و عام اور کافر و مسلمان ہونے کا کیا باعث ؟

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ کہ ! ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ کہ ! **فـضـلـنـا بـعـضـهـم عـلـٰی بعض** ۔ یعنی کہ ! ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ۔ نیز ارشاد فرمایا ۔ **کـل نـفـس ذائـقـة الموت** ۔ یعنی کہ ! ہر نفس (جاندار مخلوقات) نے موت کا مزہ چکھنا ہے ۔ موت دراصل اس حدیث کی مصداق ہونی چاہیئے ۔ **الـمـوت جسـر یوصل الحبیب الی الحبیب** ۔ یعنی کہ ! موت ایک پُل ہے ۔ جس کو طالبِ مولیٰ اپنے حبیبِ حقیقی کی طرف عبور کر کے واصلِ الٰہی ہو جاتا ہے ۔

اے عمرؓ ! پنج بنائے اسلام کی حقیقت جو مومنیت کا درجہ ہے ۔ جو مفصل بیان کر دیا ہے ۔ فی الحال تمہارے لئے کافی ہے ۔ جب تم اس سے آگے انتہائے کمال کی جانب بڑھنا چاہو گے ۔ تو جمیع اسرار و صفات خود تمہارے اندر موجود ہیں ۔ کیونکہ ! **مـن عرف نفسه فقد عرف ربه** ۔ یعنی کہ ! جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ۔ اُس نے (درحقیقت) اپنے رب کو پہچان لیا ۔

اے میرے ہمراز خواجہ قطب الدینؒ ! یہ نکات پوشیدہ اور رازِ مخفی تھے ۔ جو حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے خلیفہ ء ہم اسرار حضرت عمر فاروقؓ کو تعلیم فرمائے تھے ۔ تم کو لکھ دیئے ہیں ۔ ہمیں اُمید ہے ۔ کہ ! تم ان نکات پر اعتبار و اقرار کرو گے ۔ ہمیں کج فہم یعنی علمائے ظاہری سے کوئی سروکار نہیں ۔ ان کا علاج (تو) اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے ۔ کیونکہ ! سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے ۔ (بقول) **لا تتـحـرک ذرة الا باذن الله**

۔یعنی کہ! اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ یہی ہر مسلمان کا اعتقاد ہے۔اور اسی پر ایمان ہے۔ **و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ و اھل بیتہ و ازواجہ و ذریتہٖ اجمعین برحمتک یارحم الراحمین۔آمین۔**

انجام اس کے ہاتھ میں ، آغاز کر کے دیکھ　　　بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کر کے دیکھ

دل کی غذا اور زادِ راہ : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کتاب ''آداب السلوک والتواصل الی المنازل الملوک ''میں فرمایا ہے۔کہ! بندہ ءمومن کے لئے ہر حال میں تین امور کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔(1) اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پیروی کرنا۔(2) اللہ تعالیٰ کے نواہی سے اجتناب برتنا۔(3) قضاء وقدر کے سامنے سرِخم تسلیم کر کے انہیں بخوشی قبول کرنا۔(یاد رہے۔کہ) ادنیٰ سے ادنیٰ کیفیتِ ایمان کا تقاضا یہ ہے۔کہ! بندہ کسی بھی حال میں ان تینوں امور سے غافل نہ رہے۔اور کسی بھی صورت ان امور کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔بلکہ انہیں تینوں امور کو دل میں جگہ دے۔اپنے نفس کو ان کا پابند کرے۔اور اپنے اعضاء وجوارح کو ان کی ادائیگی میں مشغول رکھے رہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر　　　تُو شاہین ہے ، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

تصوف کا وجود : تصوف کا وجود فلسفہ میں موجود ہے۔جیسے کہ فنائیت کے تینوں درجات (فنا فی الشیخ ۔فنا فی الرسول اللہ ﷺ اور فنا فی اللہ) کا وجود فلسفہ میں دلائل کے ساتھ موجود و متحقق ہے۔فلسفے کا سب سے بڑا عقیدہ تو یہ ہے۔کہ! تمام عالم کا مخرج ایک ہی ہے۔اور سب کو اس میں جذب ہونا ہے۔بلکہ اَب بھی ایسا نا معلوم جاذب ہے۔کہ مفہوماتِ کلی اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔(تعلیمِ غوثیہ)

وجودِ ذات سے باہر نکل کے دیکھوں تو ذرا　　　نہ کوئی غیر تیرا نہ کوئی رقیب تیرا

☆ **صوفیہ کے گروہ :** (بقول حضرت شیخ ضیاءالدین سہروردیؒ) **مرید** وہ ہے۔جو اپنی مراد کو خود طلب کرتا ہے۔ مرید اپنے وقت کا متوسط اور اپنے حال کا منتہی ہے۔پاس انفاس میں اپنے سانس کا نگہبان اور اسے سب احوال میں افضل جانتا ہے۔اور مراد کی طلب میں سختیاں برداشت کرتا ہے۔مرید کے ذمہ یہ امور ہوتے ہیں۔ مجاہدات میں مقام کرنا۔ریاضات وعبادات میں تکلیف اُٹھانا۔ صبر کی تلخیاں برداشت کرنا۔ نفسانی لذات سے بچنا۔

☆ **متوسط :** متوسط وہ ہے۔جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے۔ متوسط سے منازلِ آداب کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔وہ صاحبِ تلوین (عاشق ۔تلوین کی ضد تمکین ہے) ہے۔کہ ادنیٰ حال سے اعلیٰ کی طرف ترقی پاتا ہے۔اور ہمیشہ زیادتی میں ہوتا ہے۔اس کے مقامات یہ ہیں۔کہ!

☆ مرادت کی طلب میں سختیاں اُٹھانا۔ ☆ اقوال وافعال میں ہمیشہ صادق رہنا۔ ☆ کمال کے مقامات میں ادب برتنا۔

☆ **منتھی :** منتہی یعنی جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا ہو۔وہ درجہ صحو وتمکین میں ہے۔ایسا سالک ظاہر میں تو مخلوق میں مگر باطن میں حق سے واصل رہتا ہے۔

خلق را طاعت بود از کسبِ تن　　　عارفاں را ترکِ تن طاعت بود

علومِ آخرت کا فلسفہ : (طہارت،نماز،روزہ اور حج) : علوم آخرت کے ضمن میں (البلوشی) عرض گزار ہے۔ادراکِ توحید کے وقوف وادراک کے ساتھ ساتھ ذیل میں دیئے گئے چھ اصول (امور) کو بھی لازمی جاننا چاہیئے۔جو کہ میرے نزدیک بہت بڑے رموز واسرار ہیں۔

☆ **اصلِ اول ''طہارت کے رازوں میں سے :** بزرگوں نے فرمایا ہے۔کہ! طہارت کے چار مراتب ہیں۔اول یہ کہ ظاہر کو پلیدیوں سے پاک کرنا اور رفع ءحدث یعنی وضو کرنا۔اس قسم کی طہارت عام لوگوں کی طہارت ہے۔ دوئم یہ کہ! اعضاء کو معصیت کے امور سے باز رکھنا۔ اس قسم کی طہارت خاص لوگوں کی طہارت ہے۔ سوئم یہ کہ! قلب کو بری عادتوں اور ناشائستہ افعال (جیسے غرور،تکبر،کینہ،حسد،غضب،شہوت،غصہ اور غیبت وغیرہ) سے پاک کردینا۔اس قسم کی طہارت خاص الخاص لوگوں کی طہارت ہے۔ چہارم یہ کہ! دل کو غیر اللہ سے یکسر خالی کردینا۔(کیونکہ! دل میں جس قدر غیر اللہ کا تصور وتخیل یا اُس سے اُمید وابستہ ہوگی۔اُسی قدر بندہ ذِکرِ الٰہی سے دور رہے گا) اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ! **قل اللہ ثم ذرھم** ۔(ترجمہ) کہو۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔(سورہ انعام۔آیت نمبر 91) اور اس قسم کی طہارت اعلیٰ درجہ ومقام کے خاص الخاص لوگوں کی طہارت ہے۔

ہر کہ اندر عشق باید زندگی　　　کفر باشد پیش او جز بندگی

☆ **اصلِ دوئم '' قرآنِ پاک پڑھنے کے رازوں میں سے :** قرآن شریف چونکہ اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیب ترین پیغمبر ﷺ کا مشترکہ معجزہ ہے۔لہٰذا اس کے پڑھنے کے ویسے تو آداب کثیر ولا تعداد ہوں گے۔لیکن یہاں پر فقط دس آداب پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

☆ **اول یہ کہ!** قرآنِ حکیم کو پاک وصاف اور باوضو حالت میں چھوا جائے۔ ☆ **دوئم یہ کہ!** قرآنِ حکیم کو پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت وعظمت کو جانے اور پہچانے۔کیونکہ! کلامِ الٰہی لفظوں،جملوں اور عبارتوں میں دیگر جمیع کلاموں سے بہت فصیح وبلیغ اور موجب خیر وبرکت ہے۔اور معنوں میں اُن سب سے زیادہ کامل ہے۔جس کا کوئی ثانی نہیں۔ ☆ **سوئم یہ کہ!** قرآنِ حکیم کو پڑھتے یا چھوتے وقت اس کلام کے کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ کی عزت وعظمت اور جلال وجمال اور کبریائی کو اپنے دل ودماغ اور تصور وتخیل میں مقدم،مقدس اور بہت ہی عظیم سمجھے اور جانے۔ ☆ **چہارم یہ کہ!** قرآنِ حکیم کو حضورِ قلب سے پڑھے۔اور پڑھتے وقت دیگر تمام تخیلات وتوجہات اور تصورات سے عدم دھیان رکھے۔ ☆ **پنجم یہ کہ!** قرآنِ حکیم کے معانی ومفاہیم اور اُن کے اسرار ورموز میں غور وفکر کرے۔ ☆ **ششم یہ کہ!** قرآنِ حکیم کی ہر ایک آیت کا مقام ومرتبہ وجہ ءنزول اور

شانِ نزول کو جاننے کی سعی کرے۔ یعنی آیاتِ ذات وصفات، آیاتِ افعال اور آیاتِ احکامات ومتشابہات کو علیحدہ علیحدہ معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

☆ **اصلِ سوئم** ''زکوٰۃ کے رازوں میں سے : وہ شرائط کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے علمِ فقہ میں بیان کی گئی ہیں۔ جب پوری کی جائیں۔ تو ہی زکوٰۃ کا فائدہ ہوتا ہے۔ یادرہے۔ کہ! زکوٰۃ کا فائدہ یا تو دینے والے کو معلوم ہوتا ہے۔ یا پھر لینے والے کو۔ کیونکہ! زکوٰۃ دینے والے کو تو یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ! اُس کا مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور اُس مال میں مزید خیر وبرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ! مال ومتاع اور دنیا سے محبت ہی جملہ گناہوں کی اصل اور جڑ ہے۔ چنانچہ حضرت نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ! **حب الدنیا رأس کل خطیئة** ۔ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ (الحدیث) اسی لئے جب کوئی شخص اپنے ہی مال سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ تو گویا کہ جس مال سے اُسے محبت تھی۔ اس سے قطع تعلق اور قطع محبت کرتا ہے۔ تو یہی زکوٰۃ شدہ مال آخرت میں اُس شخص کے لئے سببِ نجاتِ نارِ جہنم بن جاتا ہے۔ اسی طرح سے زکوٰۃ لینے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ! اُس کی حاجات اور ضروریات بغیر کسی کشمکش، محنت ومشقت اور رنج وغم کے حل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ! یہاں تک کہ اُس کے حالات کافی حد تک سنور جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ لینے والے کو زکوٰۃ دینے والے سے محبت واُنسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک غریب شخص کئی اقسام کے شر اور فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ! غربت وافلاس کی وجہ سے لوگوں کی عزت وآبرو بھی خطرے میں رہتی ہے۔ جیسا کہ! ایک مشہور ومعروف قول ہے۔ کہ! جب روٹی کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ تو عورت کی عزت کوڑے داموں بکنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ! آج نشہ، زنا اور دیگر عوامل بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں کثیر بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ! اگر زکوٰۃ دینے والے کے دل میں اخلاص ہو۔ اور قطعاً ریا کا شائبہ نہ ہو۔ تو اُس کی وجہ سے معاشرت میں ایک عجیب سا سنوار پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُسے واقعتاً دلی اطمینان میسر ہوتا ہے۔

جیہڑے دل وچ تُوں آویسیں اوہ دنیا وچ نہیں وسدے نیں
اک وار جو پھائیوں اُڈ جاون مُڑ دوجی وار نیں پھسدے نیں

☆ **اصلِ چہارم** ''روزہ کے رازوں میں سے : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ! **الصوم لی وانا اجزی به** ۔ (ترجمہ) روزہ میرے لئے ہے۔ اور مَیں ہی اس کی جزا دوں گا۔ (یادرہے۔ کہ!) اللہ تعالیٰ کا روزے کو اپنی طرف منسوب کرنا چار باتوں کی وجہ سے ہے۔ ایک تو یہ کہ! روزہ ایسی عبادت ہے۔ کہ اس پر اللہ تعالیٰ اور روزہ دار کے علاوہ تیسرا کوئی باخبر نہیں ہوتا۔ تو جب روزہ رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں ہوتی۔ تو یہ عبادت بھی خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری بات یا دوسرا فائدہ روزہ رکھنے کا یہ ہے۔ کہ! بھوکے رہنے سے انسان کی کچھ قوتیں دَم توڑ جاتی ہیں۔ جیسے کہ! شہوانی ونفسانی خواہشات، غیض وغضب، شیطانی وساوس وخیالات وغیرہا۔ روزہ کے ذریعے انسان یقینی طور پر شیطان پر بھی غلبہ وقابو پالیتا ہے۔ تیری وجہ و فائدہ یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ! روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرنے اور نیک امور کی جانب گامزن کرنے میں یقینی طور پر معاون ومددگار رہتا ہے۔ چوتھی اور آخری وجہ وفائدہ یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ! روزہ دار جب روزہ رکھتا ہے۔ تو اسے اُن غریب ونادار اور مفلس لوگوں کی دل جوئی اور مدد کا بھی خیال آتا ہے۔ جو کہ بھوک و افلاس میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جن کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ودوسرا نہیں ہوتا۔

آں **کلیمِ** بے تجلی، آں مسیحِ بے صلیب　　　نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

☆ **اصلِ پنجم** ''حج کے رازوں میں سے : دنیا میں دو حقیقتیں کبھی بھی نہیں بدل سکتیں۔ پہلی حقیقت وہ ہے۔ کہ! جس کا انکار کوئی بھی غیر مسلم یا لادین نہیں کر سکتا۔ وہ یہ ہے۔ کہ! **کل نفس ذائقة الموت** ۔ (ترجمہ) اور بالآخر ہر نفس (یعنی ہر جاندار) نے موت کا مزہ (ضرور بالضرور) چکھنا ہے۔ جبکہ دوسری حقیقت، جو کہ ہر مسلمان کا عقیدہ اور یقین بھی ہے۔ **قل هو الله احد . الله الصمد . لم یلد ولم یولد . ولم یکن له کفوا احد** ۔ (ترجمہ) کہہ دو۔ کہ! اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا۔ اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اُس کے جوڑ (برابری) کا کوئی بھی نہیں۔ (سورہ اخلاص) بہرحال! موت سے کوئی مفر نہیں۔ جب ہر شخص کو ایک نہ ایک دن یہ فانی دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ معظّمہ ومقدسہ میں اُن کے حضور چلے ہی جانا ہے۔ اور وہاں پر جا کر اپنے تمام نیک وبد امور کا حساب دینا ہی ہے۔ تو مناسب ہے۔ کہ! تھوڑا بہت اسی دنیا ہی میں ان دو باتوں سے وقوف وادراک حاصل کر کے خوگر ہو جائے۔ کہ کچھ مال وزر اکٹھا کرے۔ اور حج کرنے چلا جائے۔ تا کہ دنیائے فانی سے رحلت کر کے دربارِ شہنشاہی میں میں اُس کے لئے حاضر ہونا دشوار و مشکل نہ ہو۔ اس کا طریق یہ ہے۔ کہ! آدمی گھر سے نکل کر لذت وآرام اور گھر جیسے قرار وسکون کے اسباب کو ترک کر دے۔ اور سفر کی محنت ومشقت اور تکلیف کو اختیار کر کے ایسے گھر میں جا پہنچے۔ کہ! جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ رفعت، عظمت اور جلال عطا فرمایا ہے۔ کہ! جس کی مثل دنیا میں کہیں پر بھی موجود نہیں ہے۔ اور جس اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر کہہ کر عزت وفضیلت بخشی ہے۔ اس طریق سے دنیا کی مفارقت اس پر آسان ہو جائے گی۔ اور بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا اور خوف وطمع رکھنا چنداں دشوار ومشکل نظر نہیں آئے گا۔ (ان شاء اللہ) کیونکہ! یہ باتیں دنیا میں حج کی باتوں سے بعینہٖ مشابہ ہیں۔

روزے حج نماز نی مائے　　　مینوں پیا ستم آن بھلائے
جاں پیا دیاں خبراں آئیاں منطق نحو سبھے مینوں گیاں
اس انہد تار وائے روزے حج نماز نی مائے

☆ **شب بیداری**: شرطِ نہم یہ ہے۔کہ! شب بیداری کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔اول **تخلقوا با خلاق اللہ** ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔کہ! **لا تا خذہ سنۃ ولا نو م** (ترجمہ) نہ اسے اونگھ آتی ہے۔اور نہ ہی اسے نیند آتی ہے(سورہ بقرہ۔255) حدیث میں آتا ہے۔سرورِکونین ﷺ نے فرمایا۔میری اُمت کے اشراف (بلند مرتبہ لوگ) قرآن اُٹھانے والے (اٹھانے سے مراد یاد کرنے والے، تلاوت کرنے والے اور احکاماتِ قرآنی پرعمل کرنے والے) اور اصحاب اللیل (شب بیداری رہ کر عبادات کرنے والے) ہیں۔(بیہقی) رات عاشقوں کا خلوت کدہ ہے۔کیونکہ! رات ہی کو مومنین غیروں کی تشویش کے بغیر صمد ذات کے حضور راز و نیاز عرض کرتے ہیں۔سالکینِ راہِ طریقت جو دولت و انعاماتِ الٰہیہ، سعادت سرور حاصل کرتے ہیں۔انہیں یہ سب کچھ شب بیداری ہی میں حاصل ہوتی ہیں۔اولیاء اللہ کا فرمان ہے۔کہ! بوقتِ غروب آفتاب ملائکہ کی زمین پر آمد شروع ہو جاتی ہے۔طلوع آفتاب سے کچھ قبل وہ جانا شروع ہو جاتے ہیں۔اور بوقتِ طلوعِ آفتاب اُن کی واپسی ہو چکی ہوتی ہے۔جو لوگ شب بیداری کرتے ہیں۔یعنی شب میں بیدار رہ کر تلاوتِ قرآن، نوافل واذکار یا دیگر عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔تو یہ فرشتے اُن کو دعائیں دیتے ہوئے اُن کی صحبت میں آکر تشریف فرما ہوتے ہیں۔

دولت شب گیر خواہی خیز شب را زندہ دار　　　خفتہ نا بینا بود و دلت بہ بیداراں رسد

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے۔کہ! رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔اس وقت جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے۔(تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَیں بادشاہ ہوں۔کون ہے جو مجھ سے دُعا کرے۔کہ مَیں قبول کروں۔کون ہے کہ مجھ سے مانگے۔کہ میں اسے دوں۔کون ہے کہ مجھ سے مغفرت مانگے۔کہ میں اسے بخش دوں۔غرضیکہ صبح روشن تک (اللہ تبارک وتعالیٰ مسلسل) ایسا ہی فرماتا رہتا ہے۔(یہی وجہ ہے۔کہ!) صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے رات کے آخری حصہ میں مختلف الاقسام عبادات جیسے نوافل، تلاوت قرآنِ کریم، اذکار و ادعیہ میں لازمًا مشغول رہتے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! حضرت نبی مکرم ﷺ کی خدمت مین ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں آدمی رات بھر سوتا ہے۔نماز نہیں پڑھتا۔آپ ﷺ نے فرمایا۔اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کیا ہے۔(اور اسی طرح سے) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔کہ! درمیانِ شب میں پابندی کے ساتھ قیام اور راہِ الٰہی میں مال خرچ کرنے سے بڑھ کر بندے کا کوئی عمل آنکھوں کی ٹھنڈک، پیٹھ کو ہلکا رکھنے والا اور دل کو خوش رکھنے والا نہیں۔(اسی لئے تو تہجد بھی وقت رات میں رکھا گیا ہے)

قیام شب پر معاونت کے لئے تین معاون اسباب : ☆ حلال کھانا ☆ توبہ پر استقامت (چاہے گناہ نہ بھی کیا ہو) ☆ وعید کے خوف کا غم یا پھر جس ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی امید کی طرف رُغبت (شوق)۔ اور قیام شب نہ کرنے کے بھی تین نقصانات ہیں۔

☆ شبے والی اشیاء کھانا　☆ گناہوں پر اصرار کرنا　☆ دل پر دنیاوی مُحبت کا غالب ہو جانا۔

حضرت سیدنا سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔کہ ایک گُناہ کی وجہ سے میں پانچ مہینوں تک قیامِ شب سے محروم رہا۔عرض کی گئی۔کہ! وہ گناہ کیا تھا؟ ارشاد فرمایا۔میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو اپنے دل میں کہا یہ (یعنی اس شخص کا رونا) ریاکاری و دکھاوا ہے۔

قیامِ شب پر اہل اللہ کی شان : (سیدی عبدالوہاب الشعرانیؒ درکتاب ''طبقات امام شعرانی'')

رات کے مرد ہی اصل میں مرد ہیں۔جب بھی وقت میں تاریکی آتی ہے۔تو کازمًا ولی کا نور قوت پاتا ہے۔دراصل اللہ تعالیٰ کا دوست (یعنی ولی اللہ) اللہ تعالیٰ کے حضور ایسے ہے۔جیسے شیرنی کا بچہ اس کی گود میں۔کیا تو سمجھتا ہے۔کیا وہ شیرنی اپنا بچہ اس کے لئے چھوڑ دے گی۔جو اسے ہلاک کرنا چاہتا ہو۔اللہ تعالیٰ کی قسم! ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں۔جن کے افعال اس کے افعال کے ساتھ ہیں۔جن کے اوصاف اس کے اوصاف کے ساتھ ہیں۔اور ان کی ذات اس کی ذات کے ساتھ محو و مستغرق ہو گئی ہے۔اور اس نے انہیں ایسے ایسے اَسرار سپرد فرمائے ہیں۔کہ جنہیں عام اولیاء اللہ تو سن بھی نہیں سکتے۔**من عرف نفسہ فقد عرفہ ربہ**۔کے معنیٰ بھی یہی ہیں۔کہ! جس نے اپنے نفس کو ذلت اور عاجزی کے ساتھ پہچان لیا۔اس نے اللہ تعالیٰ کو عزت اور قدرت کے ساتھ پہچان لیا۔ (پہچان کے لئے عشقیہ لگن لازمی ہے)

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　ہر زماں اَز غیب جانِ دیگر اَست

(تسلیم ورضا کے خنجر سے شہید ہونے والوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

نیند میں اپنی توجہ کا استعمال : حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔کہ! بندے کو چاہیئے۔کہ! خوابوں میں بھی اپنی توجہ کا استعمال کرے۔وہ اس طرح کہ اپنے خیالات پر حاکم ہو۔اور اور نیند میں بھی اپنے ادراک کے مطابق اسے چلائے۔جیسے کہ جاگتے میں ایسا کرتا ہے۔جب بندے کو یہ حضور حاصل ہو جاتا ہے۔اور یہ اس کا معمول بن جاتا ہے۔تو وہ برزخ میں بھی اس کا پھل پاتا ہے۔اور اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔لہذا ہر بندے کو یہ (کمال) حاصل کرنا چاہیئے۔کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا بہت فائدہ اور عظیم نفع ہے۔

میرے (**البلوشی**) کے مطابق بحالتِ بیداری انسان کے جسم پر حالت طاری ہوتی ہے۔جبکہ بحالت رویاء انسان کے قلب اور روح پر کیفیت کا نزول ہوتا ہے۔کیونکہ اگر بیداری میں کچھ ہو تو قلب و روح سے زیادہ جسم و عقل کارفرما ہوتے ہیں۔ یعنی کہ جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں۔درحقیقت وہ ہمیں ہماری روحانی کیفیات اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دے رہا ہوتا ہے۔کیونکہ! خواب میں بندہ گرتا ہے، چوٹ کھاتا ہے، کوئی

نعمت کھاتا پیتا ہے۔ چل پھر رہا ہوتا ہے۔ ہزروں میل دور کا سفر کرتا ہے یا خود کو کسی اور ملک میں دیکھتا ہے۔لیکن جونہی اُسے جاگ آتی ہے۔تو اس کا جسم کچھ بھی محسوس نہیں کرتا۔نہ زخمی جسم و درد، نہ کسی کھانے پینے کا ذائقہ، نہ چلنے پھرنے کی وجہ سے کوئی تھکاوٹ وغیرہ۔(واللہ اعلم)

کوئی محوِ رقص ہے تو کوئی گم خیالِ یار میں　　یہ عشق کے رنگ ہیں ، نہیں کچھ کسی کے اختیار میں

اس سلسلے میں **حضرت قلندر بابا اولیاء**ؒ اپنی کتاب ''**لوح و قلم**'' میں فرماتے ہیں۔کہ! ہم کسی خاص طریقے سے نہ صرف اپنے خوابوں کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ بلکہ اس صلاحیت کو بیداری میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔کیونکہ! انبیاءؑ کا علم یہیں سے شروع ہوتا ہے۔اور یہی وہ علم ہے۔جس کے ذریعے سے انبیاءؑ نے اپنے صحابہؓ کو بتایا۔کہ! پہلے انسان کہاں تھا؟اور اس عالمِ ناسوت کی زندگی پوری کرنے کے بعد وہ کہاں چلا جاتا ہے؟ ایک انسانی صلاحیت'' حافظہ'' (یعنی ہر دیکھی سُنی یا پڑھی چیز کو یاد رکھنا) کا قوی ہونا بھی ایک کمال ہے۔اسی طرح سے جن چیزوں سے ہمیں واقفیت نہیں اُن سے واقفیت کا تجسس (بذریعہ حافظہ) موجود ہے۔اگر اس تجسس کا تجزیہ کیا جائے۔تو کئی روحانی صلاحیتوں کا انکشاف ہوجاتا ہے۔یہی تجسس درحقیقت وہ صلاحیت ہے۔کہ جس سے ہم کائنات کے ہر ذرے سے واقفیت (روشناسی) حاصل کرتے ہیں۔بلکہ اس صلاحیت سے ماضی اور مستقبل کے امور کا انکشاف ہوجاتا ہے۔یاد رہے۔کہ! اس صفت کا عکس دراصل روح میں پایا جاتا ہے۔اور اسی عکس کے ذریعے سے انسان کا تحت لاشعور عالم رویاء میں موجود کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے۔رویاء کی صلاحیتوں کے مدارج یہ ہیں۔کشف الجو۔کشف الاحقہ۔کشف المنام۔کشف الملکوت۔کشف الکلیات۔کشف الوجوب۔

☆ **کشف الجو**: ''جو'' تصوف کی زبان میں موجودات کا ایسا مجموعہ ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے خدوخال پر مشتمل ہے۔اور کشف الجو وہ صلاحیت کہ جس سے ہر انسان نسبتِ وحدت کے تحت روشناس ہوتا ہے۔ہر انسان کی حس باہر اور لاشعور کے باطن کے ماحول کو پہچانتی ہے۔تصوف کی زبان میں یہی پہچاننا '' صفاتِ الٰہیہ'' کہلاتا ہے۔ذہن کو لاشعور کی حدوں میں داخل کروانے کے لئے یکسوئی کا ہونا نہایت لازم ہے۔کیونکہ انسانی ذہن اپنے اردگرد کے ماحول سے آزادی حاصل کر لینے کے بعد شعور کی دنیا سے ہٹ کر لاشعور کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے۔ذہن کے اس عمل کو '' استغناء'' کہا جاتا ہے۔یہ استغناء اللہ تعالیٰ کی صفتِ صمدیت کا عکس ہے۔جسے '' انخلائے ذہنی'' کہا جاتا ہے۔کئی مشقوں سے یہ کمال حاصل کیا جاتا ہے۔(جیسے دائرہ بینی، آئینہ بینی، آسمان بینی، ماہتاب وآفتاب بینی وغیرہا) سلوک ومعرفت کے اسباق بھی مرید کو خالی الذہن کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ خالی الذہن کا مراقبہ بھی کیا جاسکتا ہے۔مراقبہ ایک ایسے تصور کا نام ہے جو آنکھیں بند کر کے کیا جاتا ہے۔خالی الذہن کے مراقبہ کو سیکھنے کے لئے مراقبہء فنا پر کمال کا ہونا ضروری ہے۔

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل　　غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیء سیناء
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں ، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

مراقبہء فنا : انسان یہ تصور کرے۔کہ! میری زندگی کے جملہ آثار فنا ہو چکے ہیں۔اور مَیں اَب فقط ایک نقطہء روشنی کی صورت میں موجود ہوں۔یعنی آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرے۔کہ! اَب مَیں اپنی ذات کی دنیا سے بالکل آزاد ہوں۔صِرف اس دنیا سے میرا تعلق باقی ہے۔جس کے احاطے میں ازل سے ابد تک کی جملہ سرگرمیاں کو جود ہیں۔چنانچہ کوئی انسان جتنی مشق (اس مراقبہ کی) کرتا چلا جاتا ہے۔اتنی ہی '' لوحِ محفوظ'' کی انطباعیت اس کے ذہن میں پر منکشف ہوتی چلی جاتی ہے۔رفتہ رفتہ وہ غیبی نقوش کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔بہرحال! انطباعیت کا مطالعہ کرنے کے لئے چندروزہ مراقبہ ہی کافی ہوتا ہے۔اس مراقبہ کے بعد '' خالی الذہن کا مراقبہ کیا جائے۔تو افادہ ونفع حاصل ہوسکے۔(ان شاءاللہ)

متقین کا درجہ : (بقول سیدنا ابودرداءؓ) عقل مند لوگوں کا رات کو سوتے رہنا اور دن کو روزہ نہ رکھنا کیا خوب ہے اور بیوقوف لوگوں کا دن کو روزہ رکھنا اور رات بھر جاگ کر عبادت کرنا کتنا معیوب ہے۔مگر اہلِ یقین اور مُتقین کا ایک ذرہ برابر عمل خودفریبی میں مُبتلا افراد کی پہاڑ کی مثل عبادت سے بہتر وافضل ہے۔

حقیقتِ بُرخ : حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے اصحابؓ میں سے ایک کا نام ''برخ'' تھا۔جو کہ بہت ہی بلند مقام ومرتبہ کے حامل عظیم بزرگ تھے۔اُن کا درجہ اس قدر بلند تھا۔کہ جب حضرت موسیٰؑ کو کسی قسم کی کوئی مشکل پیش آتی تھی۔تو آپؑ اُس (برخ) پاس جا کر دُعا کرواتے تھے۔(اسی طرح سے) آنحضرت نبی مکرم ﷺ بھی حضرت اویس قرنیؓ کو ''برخ'' کے نام سے موسوم فرمایا کرتے تھے۔حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ! میری امت کا برخ اویس قرنیؓ ہے۔(اور اسی طرح سے) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کے کثیر خلفاء تھے۔حالانکہ! آپؒ کے خلیفہء اکبر حضرت خواجہ علاؤالدین نقشبندؒ تھے۔لیکن آپؒ اپنے ایک اور خلیفہ حضرت خواجہ پارساؒ کو ''برخ'' کہا کرتے تھے۔(اور اسی طرح سے) حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے کثیر خلفاء تھے۔لیکن آپؒ اپنے ایک خلیفہ حضرت خواجہ مولوی محمد باران کلاچوی (ڈیرہ اسماعیل خان) کو اپنا ''برخ'' کہا کرتے تھے۔(اور اسی طرح سے) حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کے کثیر خلفاء تھے۔لیکن آپؒ حضرت خواجہ عبدالعزیز پلہارویؒ کو اپنا ''برخ'' کہا کرتے تھے۔(بقول حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ)

گفتم: چشمم ، گفت: بہ راہش می دار　　گفتم: جگرم ، گفت: پُر آہش می دار
گفتم کہ دلم ، گفت: چہ داری دَر دل　　گفتم: غمِ تو ، گفت: نگاہش می داری

مَیں نے کہا میری آنکھیں؟ اُس نے کہا۔انہیں راہ پر لگائے رکھ۔ میں نے کہا میرا جگر؟ اُس نے کہا۔انہیں آہوں سے بھرا رکھ۔میں نے کہا، میرا قلب؟ اُس نے کہا۔قلب میں کیا ہے؟ مَیں نے کہا۔دل میں تیرا غم ہے۔اُس نے کہا۔تو پھر اس غم کی بھرپور دیکھ بھال کرتا رہ۔

خانقاهی نظام :

(بقولِ **البلوشی**) پانچ اُصول خانقاہ کا اساس اور حقیقی ورثہ کہلاتے ہیں۔اور بناء اُصول کے وصول (وصلِ حقیقی) کا پانا ناممکن ہے۔ بہرحال! پہلا **اَدَب**، دوئم **اطاعت**، سوئم **خاموشی**، چہارم **پردہ پوشی** اور پنجم **وفا**۔ ان چاروں باتوں کو پیرومرشد۔صاحبزادگانِ مرشد، پیر بھائی، اور خانقاہ میں موجود جملہ لوگوں کے ساتھ سختی سے عمل کرایا جاتا ہے۔

☆ **ایک بزرگ کا بیان ہے۔کہ!** جوخوش نصیب شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔لوگوں سے دور رہتا ہے۔اس کی باتیں کم ہو جاتی ہیں۔وہ ہمیشہ حیرت زدہ رہتا ہے۔اور اعمالِ صالحہ میں مشغول رہتا ہے۔اتصالِ رحمان کے ساتھ رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے یا کسی انسان سے قطعاً کوئی گلہ یا شکایت نہیں کرتا۔اور نہ کسی انسان سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی اُمید رکھتا ہے۔مصائب ومشکلات یا راحت ومصیبت میں اس کی کیفیت ہمیشہ راضی برضا والی رہتی ہے۔اور وہ ساری زندگی صبر وشکر سے گزارتا ہے۔تمام حالات میں قرب حاصل کرنے کا متمنی رہتا ہے۔اور وہ ہر حال (مصیبت و راحت، مشکل و آسانی) سے کٹ کر حال والے سے تعلق جوڑ لیتا ہے۔کیونکہ! معاملات اپنے حقائق کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔نہ کہ اپنے احساس اور صورت کے ساتھ۔

تمثیل کے انداز میں خلاصہ ماء تقدم و دیگر حالاتِ حقیقتِ توحید وحقیقی عشقِ الٰہی کے عنوان میں جلوہ گاہ معرفت کے تحت رقم طراز ہیں۔کہ! اس خون خوار وادی سے رہبرِ کامل کے بغیر گزرنا محال بلکہ ناممکن ہے۔بعض کاملین اپنے مریدین کو تاریکی میں یہاں سے چلاتے ہوئے گزارتے ہیں۔تاکہ وہ گھبرا کر منازل طے کرنے سے رہ نہ جائے۔کیونکہ! ایسا شخص لاکھوں میں کوئی ایک ہی ہوتا ہے۔بعض مردانِ خدا تو ایسے بھی ہوتے ہیں۔کہ مرید کو اپنی صحبت کے ریل گاڑی میں بٹھا کر وادیءِ توحید میں لاتے ہیں۔اور یوں توحید کے سمندر سے گزارتے ہوئے معرفتِ خداوندی میں پہنچا دیتے ہیں۔اور ایسا مردِ خدا (پیرِ کامل اور طالبِ صادق) کروڑوں میں کوئی ایک ہی ہوسکتا ہے۔

☆ سالک جب مقامِ معرفت میں پہنچ جاتا ہے۔تو سلطانِ معرفت کو کہ جس کے شوقِ دیدار میں یہ مصائب جھیلتے ہوا پہنچا ہے۔طلب وتلاش کرتا ہے۔وہ جب بغور دیکھتا ہے۔تو ہر منزل و مقام میں حاکم ومحکوم، پیرومرید، رسول واُمت، بندہ وخدا، شہنشاہ ورعایا، مسلم وغیر مسلم، ساجد ومسجود اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔بقول عارف! کہ جس وقت ذاتِ بے چون وبے نمود نے ''**کنت کنزا مخفیا فا حببت ان اعرف فخلقت الخلق**'' کا فرمانِ عالیشان جاری کیا ہے۔تو بھی لاتعین وبطون سے تعین وظہور میں آیا۔حکم ہوا کہ اس وقت تیرا یہاں رہنا مناسب نہیں۔اور مُلکِ معرفت کی سیر وطیر کر۔کیونکہ! وہ یہاں سے کئی منزل پر ہے۔ہر منزل میں عقبہ۔اور ہر عقبہ میں بہر سمت دشواریاں اور بے شمار تکالیف ہیں۔اور وہ طلسمات سے بھرپور ہے۔اگر تو صحیح وسلامت پہنچا۔تو ازل سے ابد تک تیری ہی قرارگاہ ہے۔اور اگر کچھ بھی عہد شکنی کی یا تُو ڈگمگایا۔تو یاد رکھ۔کہ تُو فراقِ ابدی میں مبتلا رہے گا۔

خانقاهی نظام : (تعلیم و تربیت. اصول و ضوابط)

حضراتِ مشائخ کا اس فرمانِ نبوی ﷺ پر قوی اتفاق واتحاد ہے۔**الشیخ فی قو مه کا النبی فی امته**۔علوم کی کئی اقسام ہیں۔ایک علم دنیوی ہے۔جو کہ سکول، کالج یا یونیورسٹیوں (جامعات) میں پڑھایا جاتا ہے۔علم کی دوسری قسم دینی ہے۔جو کہ مدارس یا دارالعلوم میں پڑھایا جاتا ہے۔جب کہ علم کی تیسری قسم وہ ہے۔کہ! جو خانقاہوں میں پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے۔متذکرۃ الصدور اولین دوعلوم تو سبھی کو معلوم ہیں۔تیسرے علم (یعنی خانقاہی علم) میں دین ودنیا کا بہت ہی قلیل علم سکھایا جاتا ہے۔اس علم (یعنی خانقاہی نظام تعلیم وتربیت) میں اولیائے عظام کے سوانح حیات کے مطابق خود کو ڈھالنے اور زندگی گزارنے کو عملی جامہ پہنانے کی حتی الوسع سعی کی جاتی ہے۔یہاں پر یہ بات ازحد ضروری ہے۔کہ! دستِ بیعت ہونے یا کسی پیرومرشد کے ساتھ اپنا اعتقاد و ربط رکھنے سے پہلے یہ ضرور دیکھنا اور جانچنا چاہیئے۔کہ! پیرومرشد اور خانقاہ کے اندرون تمام امور بمطابق شریعت ہیں یا نہیں۔کیونکہ! تمام راستے (یعنی طریقت، معرفت اور حقیقت) دراصل شریعت سے ہی ہوکر گزرتے ہیں۔یاد رہے۔کہ! جو شخص شریعت میں بھرپور نہیں ہوسکتا۔فرائض وسنن (غرضیکہ پانچوں ارکین اسلام وصدقات وخیرات، سود وحرام کاری سے مکمل اجتناب، رزق حلال کمانا وغیرہ) پورے نہیں کرسکتا۔یاد رہے۔کہ! مرید ومعتقد جب کسی خانقاہ میں داخل ہوتا ہے۔جو چیز سب سے مقدم واولیٰ ہے۔وہ ہے ادب۔

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے خاکیء آدم کے وہاں پہنچا جہاں فرشتوں کا مقدور نہ تھا

☆ ادب کے علاوہ دوستوں یا پیر بھائیوں کا تہہ دل سے احترام، مرشد ومربی کے ساتھ خوش اعتقادی۔خانقاہوں میں خلوت اختیار کرنا، خاموش رہنا، خوش خلقی، صدق مقال، ہمہ وقت ذکر واذکار میں مشغول رہنا۔خانقاہوں میں نماز پنجگانہ کے علاوہ، شب بیداری، تہجد گذاری، اشراق وچاشت اور اوابین، قرآن خوانی، خانقاہ کی صفائی ستھرائی وتمام لوگوں کے لئے قیام وطعام اور دوسروں کے عیوب کی پردہ داری کرنا وغیرہ بہت ہی لازمی امور ہیں۔خانقاہوں میں جھوٹ بولنا، افتراء باندھنا، غیبت کرنا یا فارغ بیٹھنا سخت ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔خانقاہوں میں جن امور کی انتہائی سختی کے ساتھ مذمت کی جاتی ہے۔وہ یہ ہیں۔کسی کی دل آزاری اور کسی چھوٹے یا بڑے کی بے ادبی وذلت، نمازِ پنجگانہ میں سستی اور ذکر واذکار اور اشغال پر عدم توجہی۔

☆ ایک اور بات، وہ یہ کہ! خانقاہوں میں اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے۔کہ! جو شخص (مرید ومعتقد یا شاگرد) جو بھی عبادت کرتا ہے۔اپنی اُس عبادت کے اَجر وثواب کا منتظر نہ رہے۔بلکہ وہاں پر تو ہر ایک کو صرف اور صرف یہی باور کرایا جاتا ہے۔کہ! اگر ہم جو بھی نیک اعمال (مثل

نمازِ پنجگانہ، ذکر واذکار اوراشغال، ہاتھ بٹانا یا خانقاہ کے دگرامور وغیرہ) کریں گے۔ بجائے اس کے، کہ! ہمیں پیرومرشد کی طرف سے کوئی انعام یا تعریفی کلمات میسر ہوں۔ یا پھر ہم سے کرامات یا خوارق العادات کا ظہور ہو۔ بلکہ خانقاہ کے مقیم لوگوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے۔ کہ! یہ تمام عبادات اور نیک امور ہم سے اللہ تعالیٰ خود کروا رہا ہے۔ اور یہ صرف اور صرف للہ تعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے۔ کہ! جس نے ان تمام امور کی ہمیں طاقت وتوفیق عطا فرمائی ہے۔ ورنہ تو''**الانسان مرکب النسیان**۔ انسان تو خطا کا پُتلا ہے۔

☆ **دیگر خانقاھوں میں مروج طریقے** : کچھ سلاسل میں مریدین کی کچھ عرصے کے لئے یہ ڈیوٹی (فریضہ ووظیفہ) ہوتا ہے۔ کہ! وہ مسجد میں جا کر جوتیوں کو درست کر کے رکھے۔ کچھ کو یہ فرض سونپا جاتا ہے۔ کہ! باوجود مال ومتاع کے، وہ اتنے عرصے تک مانگ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائیں گے۔ کچھ کو تاکید کی جاتی ہے۔ کہ! وہ آسمان کے نیچے اتنے عرصے تک سویا کریں گے۔ کچھ کو کہا جاتا ہے۔ کہ! پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے رکھیں۔ بہرحال! ان جملہ امور کا تعلق صرف اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ! اَنَا مر جائے۔ غریبوں کی حالت زار کا پتا چل جائے۔ دوسروں کی بھوک و افلاس کا احساس ہو سکے۔ اور اُن کے اندر دوسروں کے لئے رحم کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

جناب حضرت سیدنا شیخ ابو طالب مکیؒ اپنی مشہورزمانہ تالیف قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ جس میں **تین باتیں پائی جائیں۔ اس کا ایمان کامل** ہوتا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ ☆ اپنے عمل میں رِیا کا اِظہار نہ ہونے دے۔ ☆ جب اس کے سامنے دو اُمور پیش کئے جائیں۔ (کہ) جن میں سے ایک دنیا اور دوسرا آخرت کا ہو۔ تو دنیا پر (ایسا شخص) آخرت کو ترجیح دے۔☆ **اسی طرح** حضرت بایزید بسطامیؒ ایمان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ! ایمان والا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا، اللہ تعالیٰ سے کبھی بھی دنیا وآخرت نہیں مانگتا۔ وہ تو اپنے مولیٰ سے اپنے مولیٰ ہی کو طلب کرتا ہے۔

حضرت سیدنا یوسفؒ فرماتے ہیں۔ منقول ہے۔ کہ جس میں (فقط) پانچ باتیں پائی جائیں۔ اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

☆ جب راضی (بر رضائے الٰہی) ہو تو اس کی رضا اسے باطل کام کی طرف نہ لے جائے۔ ☆ جب ناراض ہو تو اس کا غصہ اسے حق سے نہ پھیر دے۔ ☆ جب غلبہ حاصل کرے۔ تو جو شئے اس کی نہ ہو اسے کسی سے نہ چھینے۔ ☆ **صحیح بخاری** میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ! وہ شخص مومن نہیں۔ جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے۔ مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ ☆ **صحیح بخاری** میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ! مَیں اور یتیم کی کفالت کرنے والا بہشت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی دو انگشت مبارکہ (شہادت اور ساتھ والی) کے ساتھ اشارہ فرمایا۔

سلسلہء طریقت اَز مولانا جلال الدین الرومیؒ :

اس سلسلہ میں جب کوئی داخل ہونا چاہتا ہے۔ تو بیعت ہونے سے پہلے یعنی سلسلہء عالیہ میں مرید ہونے سے بیشتر متمنی کو چند کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے **40** ایام تک چار پایوں (مثل بکری، دنبہ، گائے، بھینس یا بعض اوقات گھوڑوں) کی خدمت کرنا پڑتی ہے۔ پھر **40** ایام تک فقراء کے دروازوں پر جھاڑو دینا پڑتا ہے۔ پھر **40** ایام تک آب کشی (کنویں سے پانی نکالنا یا پانی کے برتنوں کو بھر کر رکھنا) کرنا پڑتی ہے۔ پھر **40** ایام تک فراشی (خانقاہ کے تمام بستروں کو بچھانا و اُٹھانا) کرنا پڑتی ہے۔ پھر **40** ایام تک ہیزم کشی (لکڑی جلانا) کرنا پڑتی ہے۔ پھر **40** ایام تک جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لانا۔ پھر **40** ایام تک طباخی (خانساماں کا کام مثل کھانا پکانا، برتن دھونا اور کچن کی صفائی ستھرائی کرنا) کرنا پڑتی ہے۔ پھر **40** ایام تک خانقاہ کے لئے سودا سلف لے کر آنا۔ پھر **40** ایام تک فقراء کی مجالس کی خدمت گزاری (فقراء کو کھانا کھلانا، پانی دینا، اُن کے اُوڑنے بچھونے کا خیال رکھنا)۔ پھر **40** ایام تک بازار میں جا کر سقہ (عوام الناس کو پانی پلانے والا) بننا۔ پھر **40** ایام تک داروغہ گری (نگران کار یعنی خانقاہ میں موجود فرائض سرانجام دینے والوں کو دیکھنا) کرنا۔ جب یہ تمام مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو پھر اسے غسل کرایا جاتا ہے۔ اور تمام محرمات سے توبہ کروا کر دستِ بیعت کر کے حلقہ (سلسلہء عالیہ مولویہ) میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خانقاہ سے لباس اور ٹوپی عطا کئے جاتے ہیں۔ اور اسمِ جلالی کی تلقین کی جاتی ہے۔ (جیسا کہ سلسلہء عالیہ قادریہ میں اسمائے اصول وفروع کے ادوار سے گزارا جاتا ہے۔ جس کا کہ پیچھے تفصیلی بیان گزر چکا ہے) بہرحال! یہ سب **40-40** ایام کی مدت نفس کشی، تزکیہء باطن اور تصفیہء قلب کے لئے کرائی جاتی ہے۔ تاکہ انسان میں عاجزی آجائے۔ شریعت میں کامل پختگی آجائے۔ اور وہ ولایت جیسی عظیم دولت سے ہمکنار ہو سکے۔ بقولِ مولانا رومیؒ!

باز آ باز آ ہر آں کہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

مولانا رومؒ کے مرشد حضرت شیخ شمس تبریزی قونیہؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ! اپنے بچپن میں، مَیں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ مجھے ملائکہ (فرشتے) دِکھائی دیئے۔ مَیں نے ارفع اور پست جہانوں کے اَسرار کھلتے دیکھے۔ مَیں سمجھتا تھا۔ کہ! تمام انسان ہی یہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ لیکن آخر کار مجھے ادراک ہوا۔ کہ! (شاید) سب انسان ایسی نگاہ نہیں رکھتے ہیں۔ بہرحال! راضی برضائے الٰہی، تقویٰ، توکل، معرفتِ الٰہی اور عاجزی نہایت ضروری ہے۔ عاجزی کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق ایک حکایت منسوب ومنقول ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ کا پیر رومیؒ کے حضور نذرانۂ عقیدت

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں — کہ کام آئے دنیا میں، انساں کے انساں

(حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے روحانی مرشد حضرت مولائے رومؒ کو اپنے ان اشعار میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ کہ!)

☆ پیرِ رومیؒ خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کند

☆ بیا کہ من زخمِ پیرِ رومؒ آوردم — مئے سخن کہ جواں تر ز بادہء عنبی اَست

☆ پیررِ رومیؒ را رفیقِ راہ ساز — تا خدا بخشد تُرا سوز و گداز

☆ زِ آتشِ مردانِ حق می سوزمت — نکتہء از میرِ رومؒ آموزمت

☆ وقت اَست کہ بکشائم مئے خانۂ رومیؒ باز — پیرانِ حرم دیدم در صحنِ کلیسا مست

☆ پیرِ رومیؒ مرشدِ روشن ضمیر — کاروانِ عشق و مستی را امیر

☆ صحبتِ پیرِ رومؒ سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

☆ مقامِ ذکر کمالاتِ رومیؒ و عطارؒ — مقامِ فکر مقالاتِ بو علی سینا

☆ زِ رومیؒ گیرد اسرارِ فقیری — کہ آں فقر اَست محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ از وَے — رسیدی بر مقامِ سر بزیری

☆ خودی تا گشت مہجورِ خدائی — بہ فقر آموخت آدابِ گدائی
زِ چشمِ مستِ رومیؒ وام کردم — سرورے از مقامِ کبریائی

☆ چو رومیؒ در حرم دادم اذاں من — ازو آموختم اسرارِ جاں مَن
بہ دورِ فتنہء عصرِ کہن اُو — بہ دورِ فتنہء عصرِ رواں مَن

☆ بکارم خود دگر آں کہنہ مے ریز — کہ باجامش نیز زد ملکِ پرویز
زِ اشعارِ جلال الدین رومیؒ — بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

☆ بگیر از ساغرش آں لالہ رنگے — کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے بہ بخشد — بشوید داغ از پشتِ پلنگے

☆ نصیبے بر دم از تاب و تبِ اُو — شبم مانند روز از کوکبِ اُو
غزالے در بیانِ حرم بیں — کہ ریزد خندہء شیر از لبِ اُو

☆ سراپا درد و سوزِ آشنائی — وِصالِ اُو زباں دانِ جُدائی
جمالِ عشق گیرد از نئے اُو — نصیبے از جلالِ کبریائی

☆ گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد — غبارِ رہگزر را کیمیا کرد
نئے آں نوازے پاک بازے — مَرا باعشق و مستی آشنا کرد

☆ بروئے مَن درِ دل باز کردند — زِ خاکِ مَن جہانے ساز کردند
زِ فیضِ اُو گرفتم اعتبارے — کہ بامن ماہ و انجم ساز کردند

☆ **حدیثِ نبوی ﷺ** : گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے شخص کی طرح ہے۔ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

زمین و آسمان ہر دو شریفند — قلندر را دریں ہر دو مکاں نیست
نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ — وگرنہ یارِ من از کس نہاں نیست

حکایت : حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ روزانہ اپنے رب سے ہم کلام ہوا کرتے تھے۔ ایک دن (ربِ متعال کی طرف سے) حکم ہوا۔ کہ! موسیٰؑ جاؤ۔ اور اپنے سے کم تر کو تلاش کر کے لے آؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے بحکم خدا ساری کائنات چھان ماری۔ مگر اپنے سے کم کسی کو نہ پایا۔ (جب) شام کو خالی ہاتھ لوٹے۔ (تو) اللہ تعالیٰ نے (دریافت) فرمایا۔ اے موسیٰؑ اگر آپؑ ایک بکری کے بچے کو ہی (خود سے کم تر سمجھ کر) لے آتے۔ تو ہم آپؑ کو نبوت سے محروم کر دیتے۔

مولانا رومؒ کی حضرت شمس الدین تبریزیؒ سے پہلی ملاقات :

حضرت مولانا جلال الدین الرومیؒ جوکہ! اپنی مثنوی کی وجہ سے بہت مشہور و معروف ہوئے۔ مثنوی کے بارے میں ہے۔

مَن چہ گویم وصفِ آں عالی جناب نیست پیغمبر وَلے دارد کتاب

حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ نے بارگاہِ یزداں میں مناجات کی۔ کہ! یارب ذوالجلال! کاش کوئی ایسا مردِ مجاہد ملتا۔ جوکہ میری صحبت کا متحمل ہوسکتا۔ عالمِ غیب سے اشارہ ہوا۔قونیہ جاؤ۔(عارفِ وقت جناب) مولانا رومؒ سے جاکر ملو۔ جب حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ قونیہ پہنچے۔اور مولانا رومؒ کی مجلس میں آئے۔تو اُس وقت مولانا رومؒ حوض کے کنارے پر بیٹھے کچھ تحریر کررہے تھے۔اور سامنے کچھ قلمی کتب بھی رکھی ہوئی تھیں۔

تو حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ نے پوچھا۔ **ایں چیست** ؟ یہ کیا ہے ؟

مولانا رومؒ نے عرض کیا۔ **ایں قیل و قال اَست ۔ شما نمی دانی۔** یہ قیل و قال ہے ۔ آپ کو معلوم نہیں۔

تو حضرت مولانا تبریزیؒ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔اور تمام کتب کو حوض میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کرمولانا رومؒ بہت زیادہ حیران و پریشان ہوکر کہنے لگے۔ **واہ درویش! واہ درویش! واہِ درویش!** یہ آپؒ نے کیا کیا ؟ ان میں سے تو بعض میرے والدمحترمؒ کےفوائد تھے۔ جوکہ اَب میسر نہیں ہوسکتے۔

تو حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈال کر ایک ایک کر کے تمام کتابیں باہر نکال لیں ۔ اور کوئی کتاب بھی گیلی نہیں ہوئی تھی ۔ گیلا پن تو در کنار، کسی کتاب کو کوئی نمی بھی جیسے چھو کر نہ گزری ہو ۔

مولانا رومؒ نے عرض کیا ۔ **ایں چیست** ؟ یہ کیا ہے ؟ توحضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ نے عرض کیا۔ **ایں حال اَست. شما نمی دانی** ۔ یہ حال ہے ۔جس سے کہ آپ ناواقف ہیں ۔ اس واقعہ اور حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ کی یہ کرامت دیکھ کرحضرت مولانا رومؒ حیران رہ گئے ۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کرآپؒ ہی کے ہوکر رہ گئے ۔ (اسی لئے تو مولانا رومؒ نے فرمایا۔ کہ!)

مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نشد

ایک مشہورومعروف شعر ہے۔کہ!

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالع ترا طالع کند

صحبتِ صالح کے متعلق آگے تفصیل آرہی ہے۔کیونکہ یہ باب ہی انہیں باتوں کے سلسلے میں ترتیب دیا گیا ہے۔(بقولِ شاعر)

اولیاء را می شناسد اولیاء دزد را ہم دزد اند بے ریا
غیر جنسیت نمی داند کسے می شناسد جنسِ خود را ہر یکے

مولانا جلال الدین رومیؒ کی خانقاہ کے آداب

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا سلسلہ ترکی اور دیگر کچھ ایشیائی ممالک میں اَب تک قائم و دائم ہے۔مؤرخ ابنِ بطوطہ دَرسفرنامہ! ان کے فرقہ (یعنی طریقت) کے لوگ ''جلالیہ'' کہلاتے ہیں ۔حضرت مولانا کا لقب چونکہ جلال الدین تھا۔اس لئے ان کے انتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور رہا ہوگا۔لیکن آج کل ایشیائے کوچک، ترکی، شام مصر وغیرہ میں اس سلسلہء عالیہ کو'' **مولویہ**'' کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن دَر زبانِ پہلوی

پاک و ہند کے مشہور شاعر حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے عارفِ وقت حضرت مولانا رومیؒ کو اپنا روحانی مرشد تسلیم کیا ہے۔ بلکہ آپؒ مولانا رومیؒ کے کلام سے اس قدر متاثر تھے۔ کہ آپؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ! حضرت رومیؒ کی مثنوی نے اِن پر کافی سارے روحانی رموز و اسرار کھولے۔حضرت اقبالؒ مزید فرماتے ہیں۔کہ! میری حضرت رومیؒ کے ساتھ اکثر و بیشتر روحانی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔اور حضرت رومیؒ ان کی عقدہ کشائی فرماتے رہتے تھے۔ بلکہ علامہؒ کا فلسفہءخودی مولانا رومؒ ہی بدولت انہیں میسر ہوا۔

خلوت نشینی کیوں لازمی ھے : ہر طالب صادق، سالک ومرید کو چاہیئے۔کہ! اللہ تعالیٰ کی رضا و اخلاص کے حصول کے لئے خود کو خلوت نشیں وعزلت گزیں کرے۔لیکن شریعت کے عین مطابق فرائض کی مطلق پابندی کے ساتھ، اپنے پیارے دینِ اسلام کی حفاظت، احوالِ نفس کی جستجو، نفس کشی اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کے قرب کی نیت سے کم ازکم چالیس ایام تک ماسوا اللہ سے مطلقاً قطع ہوجائے۔تاکہ لذتِ قرب اور عشقِ حقیقی کے مقام تک پہنچ سکے۔ بلکہ خود کو معتکف ومقید کرلے۔ اس مختصر مگر نہایت مجرب، بہترین اور جامع مشق سے لذتِ عبادت، فراست (ظاہری و باطنی)، حکمتِ الٰہیہ، نفس کی معرفت (پہچان)، قلب کی حقیقت، احوال کا کشف، حصولِ روحانیات اور حسبِ حیثیت علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔اس دوران کھانا پینا، سونا، بات چیت کرنا اور لوگوں سے ملاپ نہایت کم کردے۔(مگر ہائے افسوس کہ) لوگوں نے چلہ کشی اور خلوت نشینی کو حصولِ تصرفاتِ ظاہری و باطنی اور کشف وکرامات یا تسخیراتِ غیر مرئی مخلوقات (جن، مؤکل و پری، دیو وغیرہا) کے حصول کے لئے سرانجام دیا۔ جس کی وجہ سے مزید خرافات بدعات پیدا ہوگئے۔ وگرنہ چلہ کشی، خلوت نشینی اور عزلت گزینی تو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا مطلق خاصہ ہیں۔

اسرارِ باطن تعلیم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا خصوصی ذوق و شوق :

ایک دن آنحضرت رسالت مآب ﷺ مغموم تشریف فرما تھے۔ کہ ہر شخص مجھ سے احکامِ شریعت کے متعلق تو دریافت کرتا ہے۔ جبکہ اسرارِ باطن کے متعلق کوئی نہیں پوچھتا۔ شاید یہ راز ہمارے ساتھ قبر میں چلا جائے گا۔ (یعنی کہ آنحضور ﷺ کے اسرارِ باطن سے کوئی شخص مستفیض و متفنع نہیں ہو سکے گا)۔ لیکن بمصداقِ منشائے رحمانی '' **اذا ارادا لله شيئا فهي اسبابه** '' جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ تو اُسی لمحے جناب اسداللہ الغالب حضرت سیدنا علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ آنحضرت ﷺ کی میں نے ظاہری متابعت تو اختیار کر لی ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے احوالِ باطن کے بارے میں کوئی تعلیم نہیں دی۔ کہ جس سے باطنی متابعت سے بہرہ ور ہوسکوں۔ پس اِسی ارادہ و نیت سے کمالِ صدق و اخلاص کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں جا کر سوال کیا۔ جس سے کہ آنحضرت رسولِ اعظم ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ! مجھے (بھی) اِسی طرح سے حکم تھا۔ کہ بغیر طالب صادق کے یہ راز کسی کو تعلیم نہ کیا جائے۔ **الحمد لله** کہ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ راز حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ **قال رسول الله** ﷺ **لعلی! يا علی انت نظيری ای مثلی فی الولايت التی هی معائنة الحق**۔ (یعنی کہ) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ کہ اے علی رضی اللہ عنہ! تم میری مانند ہو۔ میری ولایت میں۔ کہ یہ ولایت معائنہء حق ہے۔ پس وہی راز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سینہ در سینہ فرقہء صوفیہ تک پہنچا۔ **العلماء وارثة الانبياء**۔ عالم وارثِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اِسی طرح سے '' **علماء امتی کانبياء بنی اسرائيل** '' یعنی کہ! میری اُمت کے علماء (اولیاء) بنی اسرائیل علیہ السلام کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔ ☆ بمطابق صحیح بخاری، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ! میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے (علم کے) دو برتن یاد کر لئے۔ ایک کو (تو) میں نے پھیلا دیا ہے۔ اور اگر میں دوسرا برتن پھیلاؤں۔ تو میرا یہ بلعوم (یعنی نرخرہ۔ گلے کا وہ حصہ جس سے کھانا اُترتا ہے) کاٹ دیا جائے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک واضح حدیث ہے۔ کہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔ (تو گویا) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ (لہذا) رضائے الٰہی سے جو ذائقہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے موسوم کرتے ہیں۔ اور معرفت وہ نور ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے قلوب میں ڈال دیتا ہے۔ اور کوئی بھی چیز اس نور سے بڑھ کر باعظمت نہیں ہے۔ اور معرفت کی حقیقت قلب کا زندہ ہونا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے۔ کہ! میری آنکھیں سوتی ہیں۔ مگر میرا قلب بیدار رہتا ہے۔ قرآن حکیم شاہد ہے۔ **اومن کان ميتا فاحيينه**۔ (ترجمہ) اور کیا وہ مُردہ نہیں تھا۔ پس ہم نے اس کو زندہ کیا۔ (سورہ انعام۔ آیت نمبر 122) اسی طرح ایک اور جگہ آیا ہے۔ کہ! **فلنحيينه حياة طيبة**۔ (ترجمہ) پس ہم اس کو پاکیزہ زندگی دیں گے۔ (سورہ نحل۔ آیت نمبر 89) پس یہ بات واضح ہے۔ کہ! جس کا نفس پھل پھول گیا۔ وہ دنیاوی لذات، شہوات، خواہشات سے قریب ہو جاتا ہے۔ مگر برعکس اس کے جس کا نفس مردہ ہو جائے۔ دنیا تو اس سے دور ہو جاتی ہے۔ مگر وہ قربِ الٰہی سے واصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ! اصول کے بغیر حصول کا مزہ نہیں۔ اور حصول کے بغیر وصول (وصلِ حق) ممکن نہیں۔ لہذا جب بندہ اَز خود حق کا ہر چیز (مال و دولت، اولاد و عزت و شہرت وغیرہ) سے بے نیاز ہو کر مشاہدہ کرتا ہے۔ تو وہ معرفت کی حقیقت کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ! معرفت حق نام ہی اسی وقوف و ادراک کا ہے۔ کہ! انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی غیر کی طرف قطعاً التفات نہ کرے۔ روایت کیا جاتا ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ کہ! اے داؤد علیہ السلام! مجھے بھی پہچان اور اپنے آپ علیہ السلام کو بھی۔ (جب) حضرت داؤد علیہ السلام نے غور کیا۔ تو فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ! مَیں نے تجھے یکتائی، تیری قدرت اور بقاء کے ذریعے پہچان لیا ہے۔ اور مَیں نے اپنے آپ علیہ السلام کو عاجزی و فناء سے پہچانا ہے۔ (تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَب تُو نے مجھے پہچانا ہے۔

ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ کہ! اگر اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان لو۔ جیسا کہ اسے پہچاننے کا حق ہے۔ تو تمھیں وہ علم حاصل ہو گا۔ جس کے بعد جہالت نہیں ہے۔ اور تمھاری دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ باوجود اس کے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ! اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔ کہ اس کی معرفت کی انتہا تک پہنچا جا سکے۔ (بقول شاعر)

گفت پیغمبر علیہ السلام کہ **لا احصی ثناء**   حامد تو ہم توئی یا ربنا

☆ آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! **لا احصی ثناء عليک انت کما اثنت علی نفسک**۔ مَیں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا۔ جس طرح سے تُو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔ (میرے خیال کے مطابق) آنحضرت ﷺ کے فرمانِ عالیشان کا مفہوم یہ ہی ہو گا۔ کہ اے اللہ تعالیٰ! مَیں تیرے محامد کثیرہ اور صفاتِ الٰہیہ کا احاطہ کرنے سے معذور و عاجز ہوں۔ بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تُو خود ہی ہو سکتا ہے۔ (یاد رہے۔ کہ!) عارفین کی انتہائے معرفت بھی یہی ہے۔ کہ! وہ معرفتِ الٰہیہ سے عاجز آ جاتے ہیں۔ اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے۔ کہ! وہ اس کو پہچان نہیں سکتے۔ کیونکہ! یہ بات یکسر محال و ناممکن ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اور ذات اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت کے ساتھ ذات وصفاتِ ربوبیت کے حقیقی و مکمل رموز و اسرار کو پہچاننے کی اہل ہو سکے۔ پس جب یہ بات ان (عارفین) کو بذریعہ انکشافِ برہانی سے معلوم ہو جائے۔ تو گویا انہوں نے کچھ نہ کچھ حد تک اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ یعنی کہ وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے۔ جو کہ مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ یہی وہ حد ہے۔ کہ جس کی طرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ! '' ادراک کے ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادراک ہی ہے۔

سیورِ اربعہ : (سیور جمع سیر کی) : راہِ حق کے متلاشی سالک کو دورانِ ارادت کچھ مشاہدات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مشاہدے سالک کو حسبِ مراتب سیرِ عروجی و سیرِ نزولی کے دوران حاصل ہوتے ہیں۔ یاد رہے۔ کہ! روح کو عروج کے طریق پر جو سیرِ روحانی میسر آتی ہے۔ وہ سیرِ علمی ہوتی ہے نہ کہ جسمی۔ صوفیائے کرام نے راہِ سلوک کو چار سیروں (سیور) میں منقسم فرمایا ہے۔ اور یہ چاروں سیریں علمی ہیں نہ کہ أینی۔ سیر درحقیقت حرکتِ علمی کا نام ہے۔ نہ کہ حرکتِ أینی و جسمی کا۔ اربابِ ولایت کی سیرِ باطنی چار اقسام کی ہوا کرتی ہے۔ 1۔ سیر الی اللہ۔ 2۔ سیر فی اللہ۔ 3۔ سیرِ عَنِ اللہ باللہ۔ 4۔ سیر فی الاشیاءِ باللہ۔ ☆ اِن چاروں سیور میں اول الذکر پہلی دو سیریں تو عروجی ہیں۔ جبکہ آخر الذکر دونوں سیریں نزولی ہیں۔ ☆ سیرِ اول، سیرِ چہارم کے مقابل ہے۔ جبکہ سیرِ دوئم، سیرِ سوئم کے مقابلہ میں ہے۔ ☆ اول الذکر دونوں سیور نفس ولایت کے حصول کے لئے ہیں۔ جو فناء و بقاء سے مراد ہیں۔ آخر الذکر دونوں سیریں مقامِ دعوت کے حاصل ہونے کے لئے ہے۔ جو کہ! انبیائے کرامؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔

☆ **سیرِ عروجی** : ہر شخص کی سیرِ عروجی اس خاص مقام تک ہوتی ہے۔ جو اس کا مبداءِ تعین ہے۔

☆ **سیرِ نزولی** : اس کے بعد اس کی سیرِ نزولی اسی لحاظ سے کامل ہوتی ہے۔ جس قدر اس کی سیرِ عروجی کامل ہوتی ہے۔ یاد رہے۔ کہ! عروج و نزول کی کاملیت صِرف اور صِرف اتباعِ سنت و شریعت پر ہی موقوف ہے۔ عروج کی دو اقسام ہیں۔ 1۔ عروجِ مجازی۔ 2۔ عروجِ حقیقی۔

سالک کے لئے عالمِ وجوب میں عروج کا اطلاق بمعنی 'حقیقی' ہے۔ کیونکہ! عالمِ امکان کے درجات ایک دوسرے پر بلندی و فوقیت رکھتے ہیں۔ جبکہ عالمِ وجوب کے درجات اپنی لامکانیت کے سبب فوق، تحت، یمین، شمال وغیرہا یعنی اطراف و اکناف نہیں رکھتے۔ (نیز) عالمِ امکان میں عروج کے وقت سالک عاشق ہوتا ہے۔ جبکہ معشوق سیر کرتا ہے۔ اسی طرح عالمِ وجوب کی سیر کے دوران سالک معشوق ہوتا ہے۔ اور عاشق اس میں سیر کرتا ہے۔ اسی لئے سالک بسببِ نسیانِ عالم اپنی ذات میں معشوق کے ظہور کے لائق ہو جاتا ہے۔ اور عالمِ وجوب کے کمالات اس میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

عــالـمِ وجوب : سالک کو سیرِ باطنی کے دوران تجلیات مختلف صورتوں میں نظر آتی ہیں۔ سالک کا یہ مرتبہ دراصل مرتبہ وجوب کہلاتا ہے۔ کیونکہ! یہ مرتبہ درحقیقت صفاتِ کلیہ کا جامع مرتبہ ہے۔ یہ عارف کے لئے مشاہدے کا مقام ہے۔ اور وہ اس رتبے میں صفاتِ حقیقہ ثمانیہ کی سیر کرتا ہے۔ انسان چونکہ نسخہء جامعہ ہونے کی حیثیت سے دو حقیقتوں کا جامع ہے۔ **1**۔ حقیقتِ امکانی۔ **2**۔ حقیقتِ وجوبی۔

☆ **حــقیقتِ امکانی** : انسان کا عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے ساتھ تعلق دراصل انسان کی حقیقتِ امکانی ہے۔ جیسا کہ انسان کے وجود میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے اجزاء و لطائف موجود ہیں۔ ☆ **حقیقتِ وجوبی** : عالمِ وجوب میں انسان کے مبداءِ فیض کو اس کی حقیقتِ وُجوبی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ! انسان عالمِ وجوب کی صفات کا عین مظہر ہے۔ بہرحال! اَب ہم چاروں سیروں (سیور) کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ ☆ **سیــرالـی الــلـه** : جب سالک علمِ اسفل یعنی ظلالِ اسماء و صفاتِ الٰہی سے علمِ اعلیٰ یعنی اسماء و صفاتِ الٰہی کی طرف سیر کرتا ہے۔ تو ترقی کرتے ہوئے اپنی اصل کو پہنچ کر اپنے آپ کو اس میں فانی پاتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا کوئی اثر اور اپنی کوئی اصلیت نہیں پاتا۔ اور صرف وجود میں اصل ہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پس اس دائرہ ظلال کی سیر کو اصطلاحِ صوفیاء میں ''سیر الی اللہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہی دائرہ ولایتِ صغرہ ہوتا ہے۔ اس دائرہء ولایت میں تفصیلی سیر ابدالآباد تک ختم نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص اس دائرہ میں اتنی ہی سیر کرتا ہے۔ جتنا کہ اس میں اس کا حق ہوتا ہے۔ یہاں پر فنائے کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی ضمن میں مولانا روم فرماتے ہیں۔ کہ!

هفت صد هفتاد قالب دیده ام ‏ ‏ ‏ همچو سبزه بارها روئیده ام

یعنی مَیں نے سات سوستر قالب (ظلال کے پردے) دیکھے ہیں۔ اور (پھر ان میں فنا ہو کر) سبزے کی طرح بار ہا مرتبہ اُگا ہوں۔

☆ **سیــر فی اللہ** : جب سالک سیر الی اللہ سے ترقی پا جائے۔ تو اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کا فضل سالک کے شاملِ حال ہو جائے۔ اور اسے سنت و شریعت پر استقلال و استقامت نصیب ہو جائے۔ تو سالک کو ترقی کرتے ہوئے اسماء صفات کے دائرہ میں (جو کہ ظلال کے دائروں کی اصل ہے) داخلہ میسر ہو جائے۔ تو سالک اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء و شیونات و اعتبارات و تقدیسات و تنزیہات میں سیر کرتا ہے۔ پس وجوب کے ان مرتبوں یعنی اسماء و صفات وغیرہا میں جو حرکتِ علمیہ (سیرِ علمی) واقع ہوتی ہے۔ اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ سیر ولایتِ کبریٰ میں واقع ہے۔ جو انبیائے کرامؑ کی ولایت ہے۔ عالمِ اَمر کے پانچوں لطیفے اس دائرہ کی انتہا ہیں۔ یہ سیر اس مرتبہ تک پہنچتی ہے۔ کہ! جس کو کسی عبارت، اشارہ، علامت یا نام سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سیر کا نام بقاء رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اس سیر کو بقا باللہ بھی کہتے ہیں۔ اس سیر کے تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے اسم ''**الــظــاهــر**'' کی سیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''**البا طن**'' کی سیر کے کمالات اور ہیں۔ وہ سیر ولایتِ علیا میں واقع ہوتی ہے۔ جو فرشتوں کی ولایت ہے۔ اور وہ سیر فی اللہ کا دوسرا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ (بہرحال) یہ سیرِ آفاقی اور اُنفسی سیر (یعنی سیر الی اللہ) سے منزلوں دور اور وراء الوراء ہے۔ سیرِ آفاقی کو سیرِ الی اللہ اور سیرِ اُنفسی کو سیرِ فی اللہ کہنا فضول ہوگا۔ کیونکہ! انفس بھی تو آفاق کی طرح دائرہء امکان میں داخل ہے۔ تو اس صورت میں دائرہء امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا۔ اور اس سے ہمیشہ کی نااُمیدی اور نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نہ کبھی فنا ثابت ہوگی اور نہ بقاء تصور کی جا سکے گی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا وصال اور اتصال کیسے ہوگا۔ اور اس کا قربِ وصال کیا حاصل ہوگا۔ (بقولِ شاعر)

چوں توئی کہ یار گردد یارِ تُو ‏ ‏ ‏ تا نباشی یار باشد یارِ تُو

یعنی کہ! جب تک تُو ہے ۔تو یار تیرا کب یار ہوگا ۔ تُو اپنے آپ کو فنا کر دے ۔تُو نہیں رہے گا ۔تو یار تیرا یار ہوگا ۔
یہی وہ مقام ہے ۔کہ جہاں نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے ۔اور اسی مقام پر شرح صدر ہوتا ہے ۔اور سالکِ حقیقی اسلام سے مشرف ہوتا ہے ۔اور پھر نفسِ مطمئنہ کی صدارت کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے ۔اور یہیں سے مقامِ رضا کی جانب ترقی کرتا ہے ۔جیسا کہ قرآن میں ہے ۔ **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔(ترجمہ)** پس جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے ۔تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۔(سورہ انعام ۔125)اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے ۔کہ! **افمن شرح اللہ صدرہ للا سلام فھو علٰی نور من ربہٖ ۔(ترجمہ)** پس وہ شخص کہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ۔وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور (یعنی ایمان کی روشنی) پر چل رہا ہے ۔(سورہ زمر ۔22)

☆ **سیرعن اللہ باللہ** : سیرِ فی اللہ کے تمام کرنے پر سالکین کے دوگروہ ہو جاتے ہیں ۔پہلا گروہ ’’**مستھلکین**‘‘ کا ہوتا ہے ۔یعنی وہ لوگ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو گئے ۔اور جمالِ الٰہی کے مشاہدے میں ہی رہ گئے ۔جبکہ دوسرا گروہ ’’**راجعین الی الدعوۃ**‘‘ کہلاتا ہے ۔ان کو واپس مقامِ قلب میں لایا جاتا ہے ۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ۔کہ! میرے بندوں کو اسی راستے سے ،کہ جس سے تم خود آئے ہو ،میری طرف لے آؤ ۔اور مخلوق کے ساتھ میل جول رکھو ۔تمھارا مشاہدہ اَب بند نہ ہوگا ۔پہلے سیر عاشق کی معشوق کی طرف تھی ۔اور آیت کریمہ **قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی** (آپ کہہ دیں ۔اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو ۔تو میری پیروی کرو) پر عمل تھا ۔(سالک عاشق اور حضرتِ حق سبحانہٗ معشوق ۔لیکن اَب سیر معشوق کی عاشق کی طرف ہے ۔اور آیہ مذکورہ کے دوسرے جزو **یحببکم اللہ** (اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا) سے مشرف ہوجاتا ہے ۔کیونکہ سالک تعلیم و تلقین اور ترغیب سے مریدوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے ۔اور اس تعلیم میں اللہ تعالیٰ اپنا مشاہدہ اس کو دیتا رہتا ہے ۔تو اس حالت میں سالک ہادی کا ہرفعل باعث مشاہدہ ہوتا ہے ۔
پس اس قسم کے صاحبِ دولت کو جب دنیا کی طرف لانا چاہیں ۔اور مخلوق کو اس کے وجود شریف کی برکت سے نفسانی اندھیروں سے نکالنا چاہیں تو اس کو صوفیوں کی اصطلاح میں ’’سیرعن اللہ باللہ‘‘ کے طریقے پر جہان کی طرف لے آتے ہیں ۔اور اس کی توجہ تمام تر مخلوق کی طرف ہوتی ہے ۔لیکن اس کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی ۔اگر چہ ظاہر میں وہ مبتدی کا شریکِ حال ہے ۔لیکن گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بڑا فرق ہے ۔اور خلق کی طرف توجہ کرنا اس منتہی کے حق میں بے اختیاری ہے ۔اور اس میں وہ اپنی رغبت کچھ نہیں رکھتا ۔ بلکہ اس توجہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے ۔برخلاف مبتدی کے ،کہ اس میں اپنی ذاتی رغبت اور حق تعالیٰ کی نارضا مندی ہے ۔پس اس سیر میں سالک علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف اور اسفل سے اسفل تر ، کی طرف رجوع کرتا ہے ۔حتیٰ کہ واپس ممکنات کی طرف رجوع کرتا ہے ۔یعنی کہ اس قسم کے صاحب دولت خوش نصیب کو جب عروج کے بعد نزول ہوتا ہے ۔تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ۔کہ جس راستے سے تم خود آئے ہو۔ واپس جا کر اسی راستے سے میرے دوسرے بندوں کو بھی میری طرف لے آؤ ۔(جیسا کہ ابھی بیان ہوا) یہ سالک مسندِ تلقین وارشاد پر فائز المرام ہوتا ہے ۔اس کی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے ۔لیکن باطنی طور پر اس کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی ۔ بلکہ مقامِ مشاہدہ سے باریاب ہوتا ہے ۔اور اس کے وجود کی برکت سے مخلوق خدا نفس کے اندھیروں سے نکل کر خدا تک رسائی حاصل کرتی رہتی ہے ۔

☆ **سیر فی الا شیاء باللہ** : یہ سالک کی چوتھی سیر ہے ۔جو رجوع کے بعد اشیاء میں ہے ۔سیر اول میں جو اشیاء کے علوم بالکل مٹ گئے تھے ۔اب پھر یکے بعد دیگرے حاصل ہو جاتے ہیں ۔اور سالک بظاہر کلی طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے ۔اگر چہ ظاہر میں اس کے تمام افعال عوام کی طرح دنیا کی مشغولی میں گزرتے ہیں ۔لیکن وہ واصل میں اس شعر کا مصداق ہوتا ہے ۔

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ باش   ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

(یعنی باطن میں ذاتِ حق سے واقف ہوجا ۔اور ظاہر میں بیگانوں کی طرح رہ ۔اور اس قسم کے طریقے والے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں)
اکثر دیکھا گیا ہے ۔کہ! دیہاتوں کی پانی بھر کر لانے والی خواتین کئی کئی مٹکے اوپر نیچے سر پر رکھ کر بظاہر بے تکلف ہوکر ایک دوسرے سے باتیں کرتی ہوئی گھروں کو پانی لے کر جاتی ہیں ۔کیا مجال ، جو ان کی رفتار میں فرق آجائے ۔ یا مٹکوں میں کسی قسم کی جنبش ہو ۔اور وہ چھلکیں ۔ کیونکہ! ان کے قلوب کی توجہ پوری طرح سے مٹکوں پر لگی رہتی ہے ۔ ☆ اسی طرح سے کچھوے اپنے انڈے دریا یا سمندر کے ساحل پر ریت یا مٹی میں دبا کر خود پانی میں چلے جاتے ہیں ۔مگر اپنی توجہ وہ انڈوں پر مرکوز رکھتے ہیں ۔کچھ عرصے بعد اُن انڈوں سے کچھوں کے بچے نکل آتے ہیں ۔اگر وہ ایک بھی لمحہ کے لئے اپنی توجہ انڈوں سے ہٹالیں ۔تو انڈے سڑ جائیں ۔ ☆ اسی طرح کونج کے بارے میں ہے ۔کہ! وہ اپنے انڈے چھوڑ کر سینکڑوں یا ہزاروں میل دور چلی جاتی ہے ۔مگر اپنی توجہ پھر بھی انڈوں پر مرکوز رکھتی ہے ۔اگر وہ اپنی توجہ چھوڑ دے ۔تو اس کے انڈے بھی سڑ جائیں ۔
(مزید برآں یہ کہ!) اس طرح کی کئی امثال موجود ہیں ۔یعنی کہ توجہ کو مرکوز کرنے کا یہی حال سالکِ کامل کی توجہ کا حق تعالیٰ کی طرف ہے ۔کہ دنیا کے ساتھ رہتے ہوئے بھی حق تعالیٰ سے اُن کی نظر نہیں ہٹتی ۔ایسے ہی سالکین کے حال پر قرآنِ حکیم کی آیتِ مبارکہ بھی صادق آتی ہے ۔ **رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ۔(ترجمہ)** یہ وہ لوگ ہیں ۔کہ! جنہیں تجارت اور خرید وفروخت ، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے (قطعًا) غافل نہیں کرتے ۔(سورہ نور ۔37) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اس حال ومقام کو ’’**خلوت در انجمن**‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔(یاد رہے ۔کہ!) سلسلہء عالیہ چشتیہ کے مشائخین میں توجہ کے ذریعے مقامات کو عبور کرایا جاتا ہے ۔